قرآن کریم میں لفظ امر اور صیغہ امر کا استعمال

* ڈاکٹر غلام یوسف

الحمد لله الّذی قدّر ما قدّر و اَمرَ ما اَمَرَ والصّلوٰۃ و السلامُ علی سیدنا محمد نِالّذی بشّر من استبشر وانذر منِ انتذر وعلیٰ آلہٖ وصحبہ الّذین اھتدوابھدْیہ واقتدوابامرِہ وصارُوا قُدوۃً لمن اِئتمرو عبرۃً لمن اعتبر۔

قرآن کریم اور احادیث میں بہت سے مواقع پر امر کے صیغے استعمال ہوئے ہیں، امر کے صیغے کبھی اپنے حقیقی معنٰی میں استعمال ہویے ہیں اور کبھی مجازی معنیٰ میں۔ اِس امر کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ امر کے حقیقی ومجازی معانی کی مختصر وضاحت پیش کی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ مختلف معانی کے استعمال میں کون کون سے احکام مرتب ہیں؟ اور استنباط احکام پر کیا اثر واقع ہوتا ہے؟

امر کی تعریف

امر ایسا لفظ ہے جو کسی فعل کے کرنے کے مطالبہ کے لیے وضع کیا گیا ہو، اور اس مطالبہ میں برتری و بالادستی پائی جاتی ہو اس تعریف میں دو باتیں توجہ طلب ہیں۔(۱)

۱- امر کی تعریف میں علی سبیل الاستعلاء (بطریق بالادستی) کی قید ہے۔ یہ قید اس بات کو بتلاتی ہے کہ حکم دینے والے کا حقیقت میں بالادست ہونا شرط نہیں، بلکہ شرط یہ ہے کہ وہ خود کو بالادست سمجھتا ہو۔ خواہ فی الواقع بالادست ہو یا نہ ہو۔

۲- علمائے اُصول کا اس پر اتفاق ہے کہ لفظ امر اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور اس سے مراد وہ خصوصی قول ہے جو حکم (وجوب) کے لیے ہو۔ البتہ فقہاء کے درمیان اِس بات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ قول کے

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی فقہ، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

علاوہ فعل میں امر کا استعمال حقیقت ہے یا مجاز؟ بعض فقہاء کے نزدیک فعل میں بھی امر کا استعمال حقیقت ہے جبکہ جمہور فقہاء کا کہنا ہے کہ امر مجازاً فعل کو بھی کہتے ہیں (۲)۔ جیسے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَمَا اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ﴾ (۳) انہوں نے فرعون ہی کے حکم کی پیروی کی اور فرعون کا حکم درست نہ تھا اس آیت میں امر سے فرعون کا فعل وطریقہ مراد ہے یہاں سبب کا مسبب پر اطلاق کیا گیا ہے (۴)۔ علامہ بصاصؒ لکھتے ہیں ﴿وَمَا اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ﴾ يعنى أفعالَهٗ وأقوالَهٗ (۵)۔

امر برائے وجوب

کسی فعل کے کرنے کا مطالبہ کئی طرح سے ہوتا ہے:

۱- کبھی امر کا صیغہ کا استعمال ہوتا ہے جیسے اِفْعَلْ اور اُقْتُلْ وغیر

مثال: ﴿وَاَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ (۶)۔

اور اللہ کی فرماں برداری کرو اور رسول اللہ کی اطاعت۔

۲- کبھی کلام میں استعمال تو صیغہ خبر ہوتا ہے لیکن اُس سے مجازاً امر مراد لیا جاتا ہے جیسے ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ﴾ (۷) اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔

اِس جگہ يَتَرَبَّصْنَ کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو عربی گرامر کے لحاظ سے فعل مضارع کا صیغہ ہے لیکن اِس سے مراد صیغہ امر یعنی تَرَبَّصْنَ (روکے رکھیں) ہے، کیونکہ اِس میں حکم پایا جاتا ہے۔

دوسری مثال:

جملہ خبر یہ جو امر کے مفہوم میں مستعمل ہے اس کی مثال یہ آیت ہے:

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَاَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ (۸)

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دوسال دودھ پلائیں، اِس شخص کے لیے جو چاہے کہ دودھ پلانے کی مدت پوری ہو''۔

یہ حکم اس کے لیے ہے جو شیر خوارگی کی مدت پوری کرنی چاہے اس صیغہ سے مقصود ماؤں کو یہ حکم دینا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو دودھ پلائیں، اِس سے یہ خبر دینا مقصود نہیں ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہیں۔

- کبھی کلام میں استعمال تو اسم فعل ہوتا ہے لیکن اُس سے امر کے معنی مراد ہوتے ہیں، جیسے:

حَیَّ علی الصلاۃ ،حَیَّ علی الفلاح

کبھی کلام میں مصدر کا صیغہ استعمال ہوتا ہے لیکن اُس سے امر کے معنی مراد ہوتے ہیں

مثال: ﴿فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ﴾ (۹) اور جب کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو تو اُن کی گردنیں اڑاؤ۔

اِس مقام پر فَضَرْبَ کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو عربی گرامر کے لحاظ سے مصدر کا صیغہ ہے لیکن اِس سے مراد صیغہ امر یعنی اِضْرِبُوا (اُن کی گردنیں اڑاؤ) ہے، کیونکہ اِس میں حکم پایا جاتا ہے۔

۳- کبھی کلام میں استعمال تو مضارع کا صیغہ ہوتا ہے لیکن مضارع پر لام امر داخل ہوتا ہے جس سے امر کا معنی مراد ہوتا ہے جیسے لِیَفْعَلْ (اس کو کرنا چاہیے) (۱۰)

مثال: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ (۱۱) تم میں سے جو کوئی اس (رمضان) مہینے میں موجود ہو اس کو چاہیے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے۔

حدیث:

((قالَ رسولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيه وسلم: مَن كانَ يُؤمِنُ بالله واليومِ الآخر فَلا يُؤذِ جارَهُ وَ مَن كانَ يُؤمِنُ بالله واليومِ الآخرِ فَلْيُكرِمْ ضَيْفَهُ ومَن كانَ يُؤمِنُ بالله واليومِ الآخرِ فَلْيَقُلْ خَيْراً اَوْلِيَصْمُتْ)) (۱۲)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کو کسی قسم کوئی اذیت و تکلیف نہ پہنچائے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کا ادب و احترام کرے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ اچھی بات کہے، ورنہ خاموش رہے"۔

اور بخاری شریف ہی میں دوسری روایت میں ہے:

((ومَن كانَ يُؤمِنُ باللّٰه واليومِ الآخرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ))

''اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ صلہ رحمی کرے''۔

اس حدیث شریف میں فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، فَلْيَقُلْ خَيْراً ، اَوْلِيَصْمُت اور فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ مضارع کے صیغوں پر لام امر داخل ہوا ہے اور امر کا معنی مراد ہے۔

صیغہ امر کے لیے ضروری نہیں کہ آمر صیغہ امر صراحۃً استعمال کرے، بلکہ آمر اگر اشارۃً بھی کسی کو حکم دے تو وہ بھی واجب الادا سمجھا جاتا ہے۔ جیسے حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں حضرت سیدنا اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذبح کرنے کا حکم اشارۃ دیا گیا تھا۔ چنانچہ اسی کی بنا پر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے سیدنا اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا تھا: ﴿ يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾(۱۳) اور جب پہنچا اُن کے ساتھ دوڑ دھوپ کی عمر کو، تو فرمایا: اے میرے بیٹے میں خواب دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، تم سوچ کر بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے کہا اے ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے وہی کر ڈالیے، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

اس آیت کریمہ میں خواب کے غیبی اشارہ کو امر کہا گیا ہے یعنی سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذبح کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ بھی حکم ربی تھا اگر حکم نہ ہوتا تو حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام یہاں ''تُومَرُ'' سے تعبیر نہ کرتے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خواب بھی بعض اوقات ''امر'' کے درجہ میں ہوتے ہیں (۱۴)۔

قرآن کریم میں لفظ ''امر'' اور اس کے مشتقات کا استعمال

لفظ امر اور اس کے مشتقات کا استعمال قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ہوا ہے ذیل میں دیے گئے جدول میں تفصیل ملاحظہ ہو:

☆ بریکٹ (۲) میں دیے گئے نمبروں کا مطلب یہ ہے کہ اِس آیت میں لفظ امر کا مادہ یا اُس کے مشتقات کا استعمال دو دفعہ ہوا ہے۔

سورۃ نمبر	سورۃ کا نام	آیت نمبر	تکرار
۲	البقرة	۲۷،۴۴،۶۷،۶۸،۹۳،۱۰۹،۱۱۷،۱۶۹،۲۱۰(۲)، ۲۲۴،۲۴۸،۷۵	
۳	آل عمران	۲۱،۴۷،۸۰(۲)،۱۰۴،۱۰۹،۱۱۰،۱۱۴،۱۲۸،۱۴۷، ۱۵۲،۱۵۴(۳)،۱۵۹،۲۸۶۔	۱۶
۴	النسآء	۳۷،۴۷،۵۸،۵۹،۶۰،۸۳(۲)،۱۱۴،۱۱۹(۲)۔	۱۰
۵	المآئدة	۵۳،۹۵، ۱۱۷۔	۳
۶	الانعام	۸،۱۴، ۵۸،۷۱،۱۵۹،۱۶۳۔	۶
۷	الاعراف	۱۲،۲۸(۲)،۲۹،۵۴(۲)، ۷۷، ۱۱۰،۱۴۵، ۱۵۰، ۱۵۷، ۱۹۹۔	۱۲
۸	الانفال	۴۲،۴۳،۴۴(۲)۔	۴
۹	التوبة	۲۴، ۳۱، ۴۸(۲)، ۵۰، ۶۷،۷۱، ۱۰۶، ۱۱۲۔	۱۰
۱۰	یونس	۳، ۲۴، ۳۱، ۷۱(۲)، ۷۲، ۱۰۴۔	۷
۱۱	هود	۴۰،۴۳،۴۴،۵۸،۵۹،۶۶،۷۳،۷۶،۸۲،۸۷، ۹۴،۹۷(۲) ، ۱۰۱، ۱۱۲، ۱۲۳۔	۱۶
۱۳	یوسف	۱۵،۱۸، ۲۱،۳۲،۴۰،۴۱، ۵۳،۶۸، ۸۳، ۱۰۲۔	۱۰

۱۴	الرعد	۲،۱۱،۲۱ ۲۵، ۳۱، ۳۶۔	۶
۱۵	الحجر	۶۵،۶۶، ۹۴۔	۳
۱۶	النحل	۱،۲،۱۲، ۳۳،۵۰، ۶۹، ۷۶، ۷۷، ۹۰۔	۸
۱۷	الاسراء	۱۶،۸۵۔	۲
۱۸	الکهف	۱۰، ۱۶، ۲۱(۲)،۲۸، ۵۰، ۶۹، ۷۱، ۷۳، ۸۲، ۸۸۔	۱۱
۱۹	مریم	۲۱، ۳۵،۳۹،۵۵،۶۴۔	۵
۲۰	طه	۲۶، ۳۲، ۶۲، ۹۰، ۹۳ ،۱۳۲۔	۶
۲۱	الانبیاء	۲۷، ۷۳، ۸۱، ۹۳۔	۴
۲۲	الحج	۴۱(۲)، ۶۵،۶۷، ۷۶۔	۵
۲۳	المؤمنون	۲۷،۵۳۔	۲
۲۴	النور	۲۱، ۵۳،۶۲، ۶۳۔	۴
۲۵	الفرقان	۶۰۔	۱
۲۶	الشعراء	۳۵،۱۵۱۔	۲
۲۷	النمل	۳۲(۲)، ۳۳(۲)،۹۱(۲)۔	۶
۲۸	القصص	۲۰،۴۴۔	۲
۳۰	الروم	۴،۲۵،۴۶۔	۳
۳۱	لقمان	۱۷(۲)،۲۲۔	۳
۳۲	السجدة	۵،۲۴۔	۲

۳۳	الاحزاب	۳۶،(۲)،۳۷، ۳۸۔	۴
۳۴	سبأ	۱۲، ۳۳۔	۲
۳۵	فاطر	۴۔	۱
۳۶	یس	۸۲۔	۱
۳۷	الصافات	۱۰۲۔	۱
۳۸	ص	۳۶۔	۱
۳۹	الزمر	۱۱، ۱۲، ۶۴۔	۳
۴۰	غافر	۱۵،۴۴، ۶۶، ۶۸، ۸۷۔	۵
۴۱	فصلت	۱۲۔	۱
۴۲	الشوریٰ	۱۵(۲)، ۳۸، ۴۳، ۵۲،۵۳۔	۶
۴۳	الزخرف	۷۹۔	۱
۴۴	الدخان	۴،۵۔	۲
۴۵	الجاثیة	۱۲،۱۷، ۱۸۔	۳
۵۶	الاحقاف	۲۵۔	۱
۴۷	محمد	۲۱، ۲۶۔	۲
۴۹	الحجرات	۷، ۹۔	۲
۵۰	ق	۵۔	۱
۵۱	الذاریات	۴، ۴۴۔	۲

۵۲	الطور	۳۲۔	۱
۵۴	القمر	۳،۱۲،۵۰۔	۳
۵۷	الحدید	۵، ۱۴ ، ۲۴۔	۳
۵۹	الحشر	۱۵۔	۱
۶۴	التغابن	۵۔	۱
۶۵	الطلاق	۱،۳، ۴، ۵، ۶، ۸،۹(۲)، ۱۲۔	۹
۶۶	التحریم	۶(۲)۔	۲
۷۹	النازعات	۵۔	۱
۸۰،۸۲	عبس،الانفطار	۱۹،۲۳۔	۱
۹۶،۹۷	العلق، القدر	۴،۱۲۔	۱
۹۸	البینة	۵۔	۱
	۶۱	۲۴۸	۲۴۸

قرآن کریم میں لفظ امر کا استعمال مختلف معانی میں

۱- قول کے معنی میں

﴿وَاْمُرْ اَهْلَکَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾(۱۵) اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اِس کے پابند رہو۔علامہ ابن العربی لکھتے ہیں: قال اللہ تعالیٰ﴿وَمَا اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ﴾ یقول: ما قول فرعون بصواب(۱۶)﴿اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا﴾(۱۷)جس وقت لوگ اُن کے معاملہ کے بارے میں آپس میں جھگڑا کرنے لگے تو کچھ لوگوں نے کہا اُن (کی غار) پر عمارت بنا دو۔اِس آیت میں لفظ قول کے معنی میں استعمال ہوا ہے(۱۸)

۲- فعل کے معنی میں

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾(۱۹) اُن سے دین کے کام میں مشاورت لیتے رہو، اور جب کسی کام کا پختہ ارادہ کرلو، تو اللہ پر بھروسہ رکھو بے شک اللہ بھروسہ رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اِس آیت میں لفظ اُلأمر، فعل ومعاملہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے(۲۰)۔

۳- قضاء وقدر کے معنی میں

﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ (۲۱) وہی آسمان سے زمیں تک ہر کام کی تدبیر کرتا ہے پھر ہر کام اُسی کی طرف پہنچ جائے گا ایک ایسے دن جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ہزار برس ہوگی ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾(۲۲) یاد رکھو اللہ ہی کے لیے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا، اللہ بڑی خوبیوں والا ہے سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ اِن آیات میں لفظ اُلأمر، قضاء وقدر کے معنی میں استعمال ہوا ہے(۲۳)۔

۴- حکم کے معنی میں (۲۴)

﴿قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾(۲۵) کہہ دو کہ اللہ تعالی ہی کی رہنمائی ہی صحیح رہنمائی ہے اور ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ ہم اللہ رب العالمین کے فرمانبردار رہوں

۵- دین وشریعت کے معنی میں

﴿لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ﴾ (۲۶) انہوں نے پہلے ہی فتنہ پردازی کی فکر کی تھی اور بہت سی باتوں میں آپ کے لیے اُلٹ پھیر کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آپہنچا اور اللہ کا دین غالب ہوا اور وہ برا جانتے ہی رہ گئے۔ اِس آیت میں لفظ اُلأمر، دین و شریعت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔(۲۷)

۶- گذشتہ واقعہ یا آئندہ پیش آنے والے واقعہ کی اطلاع دینے کے معنی میں

﴿اَتٰی اَمْرُ اللّٰهِ فَلاَ تَسْتَعْجِلُوْهُ سُبْحَانَهٗ فَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ﴾(۲۸) اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آیا ہی جاہتا ہے لہذا تم (اے کافرو!) اِس کے لیے جلدی نہ مچاؤ، وہ پاک اور بالاتر ہے اُس سے جو یہ لوگ شریک بناتے ہیں ﴿ اَتَا هَا اَمْرُنَا لَیْلاً اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِیْدًا کَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ﴾(۲۹) رات یا دن کو اس پر ہمارا عذاب اچانک آ گیا، تو کر دیا ہم نے اُس کو کاٹ کر اُجڑے ہوئے کھیت کی طرح کر دیا، گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں

۷- شان وشوکت، طریقہ اور مذہب کے معنی میں

﴿وَمَا اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ﴾(۳۰) انہوں نے فرعون ہی کے طریقہ کی پیروی کی اور فرعون کا حکم درست نہ تھا۔ اس آیت میں اَمْرُ سے فرعون کی شان وشوکت، طریقہ اور اُس کا مذہب مراد ہے۔ علامہ فخر الاسلام بزدوی لکھتے ہیں: أی شانهٗ وَطریقَتُهٗ و مذهبُهٗ۔(۳۱)

۸- قیامت کے معنی میں

﴿ وَمَا اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا کَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ﴾(۳۲) اور قیامت کا آنا یوں ہی ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا بلکہ اِس سے بھی قریب تر ہے۔

۹- وحی کے معنی میں

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾(۳۳) اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس سات آسمان پیدا کیے اور ویسی ہی زمینیں اِن کے درمیان اللہ کے تمام احکام نازل ہوتا رہتے ہیں تا کہ تم لوگ جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اِس آیت میں لفظ اَلْاَمْر، وحی کے معنی میں استعمال ہوا ہے(۳۴)۔

۱۰- اِبداع کے معنی میں

اِبداع کے معنی ہیں کسی چیز کو بغیر کسی نمونہ ومثال کے پیدا کرنا ﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّی وَمَا أُتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾(۳۵) اور آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہدو کہ وہ میرے پروردگار کی ایک شان ہے اور تم لوگوں کو بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔ علامہ آلوسی اِس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: أی من عالم الإبداع۔(۳۶) اور علامہ بیضاوی فرماتے ہیں أی من الإبداعيات الكائنة ، (۳۷)

۱۱- معاملات وحوادثات کے معنی میں

﴿اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ﴾(۳۸) دیکھو سب معاملات وحوادثات اللہ کی طرف پہنچتے ہیں۔ اِس آیت میں لفظ اُلْاُمُوْر، سے مراد معاملات وحوادثات ہیں(۳۹)۔

۱۲- عذاب کے معنی میں

﴿ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴾(۴۰) اور ہم ان لوگوں پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا غرض جب تمہارے پروردگار کا عذاب آ پہنچا، تو جن معبودوں کو وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے وہ اُن کے کچھ کام نہ آئے اور تباہی وبربادی کے علاوہ اُن کے حق میں کچھ بھی نہ کر سکے۔ اِس آیت میں لفظ اُلْاَمر، عذاب کے معنی میں استعمال ہوا ہے(۴۱)۔

۱۳- حال یا شان کے معنی میں

﴿ اِنَّمَا اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾(۴۲) پس اُس کی تو شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کر لیتا ہے، تو وہ اُسے حکم دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ چیز ہو جاتی ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: أی شانه تعالیٰ شانه فی الایجاد ،فان المراد بالامر الشأن الشامل(۴۳)

ISLAMIC RESEARCH INDEX
HEC & AIOU APPROVED PROJECT
IRI
اسلامی تحقیق کا اشاریہ

۱۴- کسی چیز کی اصلاح یعنی درستگی کے معنی میں

﴿ وَاَوۡحٰی فِیۡ کُلِّ سَمَآءٍ اَمۡرَهَا ﴾(۴۴) اور ہر آسمان میں اُس کے کام کا حکم بھیجا۔ اِس آیت کی تفسیر میں علامہ ابوحیان لکھتے: قال المجاهد والقتادة واوحی الی سکانها وعمر تها من الملائکة والیها فی نفسهاما شاء تعالی من الامور التی هی قوامها وصلاحها(۴۵) اور علامہ بیضاوی لکھتے ہیں: أی شانها وما یتأتی منها۔(۴۶)

۱۵- گناہوں کے وبال کے معنی میں

﴿فَذَاقَتۡ وَبَالَ اَمۡرِهَا وَکَانَ عَاقِبَةُ اَمۡرِهَا خُسۡرًا﴾(۴۷) پس انہوں نے اپنے کاموں کی سزا کا مزہ چکھ لیا اور ان کا انجام بدترین گھاٹا ہی تو تھا اِس آیت میں لفظ اَلْاَمْر، گناہوں کے وبال کے معنی میں استعمال ہوا ہے(۴۸)

امر کے معنی میں فقہاء کا اختلاف

- امر چونکہ بہت سے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس لیے اس بات میں اختلاف ہے کہ امر سے حقیقت میں کون سے معنی مراد ہیں؟
- دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب کوئی ایسا قرینہ موجود نہ ہو جو یہ بتلاتا ہو، کہ اِس مقام پر امر کے کون سے معنی مراد ہیں؟
- ایسی صورت میں فقہاء کے درمیان اس امر کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ امر کا صیغہ کس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے؟
- اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ امر کا صیغہ، بہت سے معانی کے لیے حقیقت میں وضع نہیں کیا گیا ہے۔ یعنی امر کا استعمال وجوب، استحباب واباحت اور ندب وغیرہ کے علاوہ دیگر معانی کے لیے مجازی ہوگا حقیقی نہیں(۴۹)
- فقہاء کے درمیان ان تین (وجوب، استحباب واباحت اور ندب) معانی میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ امر کا صیغہ اصل میں ان تینوں معانی کو بتلانے کے لیے وضع کیا گیا ہے؟، یا دو معانی کے لیے حقیقت ہے؟، یا ان تینوں میں سے کسی ایک خاص معنی کے لیے حقیقت ہے؟(۵۰)

- بعض فقہاء یہ کہتے ہیں کہ لفظی اشتراک کی وجہ سے امر ان تینوں وجوب، استحباب واباحت اور ندب) معانی کے لیے مشترک ہے (۵۱)۔ اس لیے امر سے جو معنی مراد ہیں وہ اس وقت تک واضح نہیں ہوتا جب تک کوئی مرجح (ترجیح دینے والا قرینہ) موجود نہ ہو، جیسا کہ لفظ مشترک میں ہوتا ہے (۵۲)۔
- فقہاء کی دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ امر صرف ایجاب اور استحباب کے درمیان مشترک ہے اور یہ اشتراک لفظی ہے اس لیے ان دونوں میں سے ایک کی تعین کے لیے مرجح کا ہونا ضروری ہے (۵۳)

امام غزالی رحمہ اللہ اور بعض دیگر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ امر کے حقیقی معنی صرف وجوب کے ہیں، یا صرف استحباب کے ہیں یا وہ ان دونوں معانی کے میں مشترک ہے۔ ان فقہاء کے نزدیک قرینہ کے بغیر صیغۂ امر کے کسی معنی کے بارے میں کا کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ لہٰذا اس وقت تک توقف کرنا چاہیے جب تک یہ واضح نہ ہو جائے کہ اِس مقام پر امر سے کون سا معنی مطلوب ہے کیونکہ یہ مجمل کی طرح ہے، اس لیے کہ اس میں کئی معنی بیک وقت اکٹھا ہو گئے ہیں۔ (۵۴)

عام فقہاء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ امر حقیقت میں کسی ایک خاص معنی کے لیے ہی مستعمل ہے۔ اس میں دوسرے معنی کا نہ اشتراک ہے اور نہ اجمال۔ یعنی امر اپنی اصل ساخت و بناوٹ کے لحاظ سے ان تینوں معانی میں سے صرف ایک ہی معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اس ایک معنی پر امر کی دلالت حقیقت ہوگی اور بقیہ معانی میں امر کا استعمال مجازی ہوگا۔

البتہ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس ایک معنی سے کیا مراد ہے؟ بعض مالکی فقہاء کہتے ہیں کہ یہ اباحت ہے یعنی امر صرف اباحت کے لیے مستعمل ہے، کیونکہ امر وجود فعل کے مطالبہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، اور اس کا یقینی ادنیٰ درجہ اباحت ہے۔ (۵۵)

فقہاء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے، اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے، کہ امر جن حقیقی معنوں میں استعمال ہوتا ہے وہ ندب یعنی استحباب ہے۔ کیونکہ امر فعل کے مطالبہ کے لئے وضع کیا گیا ہے، اس لیے فعل کے اس پہلو کو، ترک کے پہلو پر ترجیح دینا چاہیے، اور اس کا ادنیٰ درجہ استحباب ہے، اباحت میں فعل کا کرنا یا نہ کرنا دونوں پہلو برابر ہوتے ہیں، اس لیے اباحت کو اختیار نہیں کیا جا سکتا۔

جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ امر صرف وجوب کے لیے وضع کیا گیا ہے اور اس کے حقیقی معنی وجوب کے ہیں۔ باقی معانی مجازی ہیں۔ اس لیے جب تک کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو وجوب کے علاوہ دوسرے معانی مراد نہیں لیے جا سکتے۔ اگر قرینہ سے استحباب کا معنی معلوم ہو رہا ہے تو امر کا تقاضا استحباب ہوگا اور اگر قرینہ سے اباحت کا معنی ظاہر ہو رہا ہو تو امر کا اقتضاء اباحت ہوگا اور دوسرے احکام میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ امر کے معنی کے بارے میں جمہور فقہاء کا نظریہ مناسب معلوم ہوتا ہے اِسی نظریہ کی بنیاد پر احکام شرعیہ کا استنباط کیا جانا چاہیے(۵۶)۔ جمہور کا یہ موقف شریعت، لغت اور عقل و دانش کے عین مطابق ہے(۵۷)

جمہور نے اپنے نقطۂ نظر کے بارے میں جو دلائل دیے ہیں اُن میں سے چند دلائل حسب ذیل ہیں:

۱- ﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾(۵۸)

اور جو لوگ رسول اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں اُن کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو، کہ اُن پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو۔

یہ آیت امر کے وجوبی معنی پر دلالت کر رہی ہے کیونکہ رسول اللہ کے حکم کی خلاف ورزی سے ڈرایا گیا ہے۔ اور اس آیت کو اسی مقصد کے لیے بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ ڈرانا یہ ہے کہ حکم کی مخالفت کرنے والا کہیں فتنہ یا دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اس لیے اس کو حکم کی مخالفت سے ڈرنا چاہیے۔ رسول اللہ کے حکم کی خلاف ورزی سے فتنہ یا دردناک عذاب کا خوف اسی وقت ہو سکتا ہے جب جس چیز کا حکم دیا گیا ہو وہ فرض (واجب) ہو۔ کیونکہ جو فرض نہ ہو اس کے چھوڑنے میں کوئی ڈر نہیں۔

۲- ((عَن أبی هريرة أَنَّ رسُوْلَ الله صلَّى اللّٰه عليه وسلم قَالَ:لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلىٰ أُمَّتِی أو عَلَى النَّاسِ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّواكِ مَعَ كُلِّ صَلوٰةٍ))(۵۹)

حضرت اَبو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا : اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میری امت مشقت میں پڑ جائے گی / یا لوگوں کے لیے مشقت ہوگی، تو میں اُنہیں ہر نماز کے لیے مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

یہ بھی وجوب کی دلیل ہے، کیونکہ اگر استحباب کے لیے ہوتا تو مسواک کرنا مستحب ہوتا۔ اور اس کا حکم دینے میں کوئی مشقت نہ ہوتی۔

۳۔ سلف میں صحابہ کرام اور تابعین امر کے صیغہ سے وجوب پر استدلال کرتے تھے، الا یہ کہ کوئی ایسا قرینہ موجود ہوتا جو وجوب کو نہ بتلاتا۔ اور ان کا یہ استدلال بے شمار واقعات میں ملتا ہے، خواہ امر کا تعلق قرآن کریم میں ہو یا حدیث نبوی میں ہو۔ ان کا یہ استدلال عام تھا، اور کسی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اس بات پر اتفاق تھا کہ امر مطلق وجوب کو بتاتا ہے، اور جس فعل کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو اس کو لازمی طور پر کرنے کا مطالبہ کرتا ہے، نہ کہ اس کے مستحب ہونے کا۔

۴۔ امر کے ایسے صیغے جو قرائن سے خالی ہوں اور کوئی ایسی دلیل بھی موجود نہ ہو جو وجوب کے علاوہ کسی معنی کو بتلائے تو ذہن فوری طور پر وجوب کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اور امر کا صیغہ سنتے ہی سننے والا یہی سمجھتا ہے کہ اس سے مراد کوئی ایسا حکم ہے جس کا کرنا لازمی ہے۔

۵۔ اہل لغت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص دوسرے سے کسی فعل کا مطالبہ کرنا چاہے، اور اس کے چھوڑنے سے منع کرے، تو امر کا صیغہ استعمال کر کے وہ یہ مطالبہ کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امر کا صیغہ کسی فعل کے حتمی طور پر کرنے کے مطالبہ کے لیے وضع کیا گیا ہے اور یہی وجوب ہے۔

امر کا صیغہ، فعل کی مختلف شکلوں میں سے ایک شکل ہے۔ اور ان تمام صیغوں یا شکلوں کے مخصوص معانی ہیں، جیسے دوسرے اسماء اور حروف کے معنی ہوتے ہیں، جیسے رجل (آدمی) اور زید وغیرہ، کیونکہ کلام کی وضع کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ متکلم اپنے مخاطبین کو اپنی مراد سمجھا سکے۔ اگر مخاطب سے کسی فعل کو لازمی طور پر کرانا مقصود ہو تو یہ امر کے صیغہ کے بغیر ممکن نہیں۔ اِس سے بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ امر کا صیغہ اِسی مفہوم کو بتلانے کے لیے ہے اور سننے والے کو یہ بات سمجھانے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

۶۔ جو شخص امر کی مخالفت کرے اہل لغت اس کے اس فعل کو عصیان (نافرمانی) سے تعبیر کرتے ہیں، اور عصیان یا معصیت، مذمت کا ہی نام ہے، اور یہ کسی ایسے حکم کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا جو واجب نہ ہو (۶۰)۔

صیغہ امر کے معانی اور اُس کی اقسام

امر کے صیغہ میں جب وجوب کا قرینہ نہ ہو تو وجوب کے علاوہ بھی بہت سے معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کسی کام کا مستحب ہونا، مباح ہونا، دھمکانا، ہدایت کرنا، ادب سکھانا، عاجز کرنا، اور دعا وغیرہ۔ علماء اصولیین نے قرآن وسنت کے حوالہ سے بہت سی ایسی مثالیں ذکر کی ہیں جن امر کا صیغہ وجوب کے علاوہ دوسرے معانی میں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ان میں سے بعض معانی درج ذیل ہیں:

۱- ایجاب کے لیے
۲- ندب کے لیے
۳- ارشاد اور رہنمائی کے لیے
۴- اباحت کے لیے
۵- تہدید (دھمکانا) کے لیے
۶- التماس ودرخواست کے لیے
۷- اجازت طلب کرنے کے لیے (یعنی امر تاذینی)
۸- تادیب (ادب سکھانا) کے لیے
۹- انذار (ڈرانے) کے لیے
۱۰- احسان جتلانے کے معنی میں
۱۱- اکرام کے معنی میں
۱۲- تسخیر وتذلیل کے معنی میں
۱۳- تکوین کے معنی میں
۱۴- تعجیز (عاجز کرنا) کے معنی میں
۱۵- اہانت وتوہین کے معنی میں
۱۶- تسویہ کے (یعنی برابر ہونا) معنی میں
۱۷- دعا کے معنی میں
۱۸- تمنا وآرزو کے معنی میں
۱۹- احتقار کے معنی میں
۲۰- انعام کے معنی میں
۲۱- تفویض کے معنی میں
۲۲- تعجب کے معنی میں
۲۳- تکذیب کے معنی میں
۲۴- مشاورت کے معنی میں
۲۵- عبرت وسبق حاصل کرنے کے معنی میں
۲۶- مطلق وقت کے لیے
۲۷- مقید وقت کے لیے
۲۸- شرط اور صفت کے معنی کے لیے
۲۹- امر غیر مشروطی
۳۰- جملہ خبریہ کا استعمال امر کے معنی میں (۶۱)

مذکورہ بالا اجمال کی وضاحت کے لیے ذیل میں مثالیں درج کی جاتیں ہیں:

۱- ایجاب کے لیے

ایجاب کا مطلب یہ ہے کہ شارع مکلّف سے کسی کام کے کرنے کا اس طرح مطالبہ کرے کہ وہ اس کے لیے لازمی اور حتمی ہو۔ اور اس کی تکمیل مکلّف کے لیے ہر حال میں ضروری ہو۔ مکلّف کے فعل میں اس کا اثر وجوب یعنی لازمی ہونا ہے۔ اور خود یہ فعل جس کے کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے واجب ہوگا۔

مثال: ﴿وَاَقِيْمُو الصَّلٰوةَ وَاٰتُوالزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾(۶۲) اور نماز قائم کیا کرو، اور زکوٰۃ دیا کرو اور (اللہ تعالیٰ کے سامنے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔

﴿وَ اَقِيْمُو الصَّلٰوةَ وَاٰتُوالزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾(۶۳) اور نماز قائم کرتے رہو، اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو، اور رسول کی اطاعت کرتے رہو، تاکہ تم پر رحمت کی جائے

۲- ندب کے لیے

ندب سے مراد یہ ہے کہ شارع کسی کام کے کرنے کا اس طرح مطالبہ کرے کہ اس کام کا کرنا مکلّف کے لیے قابل ترجیح، بہتر اور افضل ہو، لازمی اور حتمی نہ ہو۔ مکلّف کے فعل میں اس کا اثر محض اس کی سفارش، تعریف اور ترجیح بتلانا ہے۔ ورخود وہ فعل جس کے کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہو ایسے فعل کو مندوب کہا جاتا ہے۔

مثال: ﴿وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا﴾(۶۴) ''اور جو غلام اور لونڈیاں تم سے مُکاتبت (آزادی کا معاہدہ) چاہیں، اگر تم اِن میں صلاحیت دیکھو، تو ان سے مکاتبت کرلو''۔

۳- ارشاد اور رہنمائی کے لیے

ارشاد و رہنمائی کا مطلب یہ ہے کہ متکلم اپنے مخاطبین کو کسی دنیاوی معاملہ کے بارے میں کسی مصلحت سے آگاہ کر رہا ہو۔ ارشاد اور ندب میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ندب میں اخروی ثواب پیش نظر ہوتا ہے، جبکہ ارشاد میں دنیوی فوائد و مصالح کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔(۶۵)

جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: ﴿یٰاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَاتَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْهُ﴾ (٦٦) اے ایمان والو جب تم آپس میں ایک مقررہ مدت کے لیے قرض کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔

۴- اباحت کے لیے

اباحت سے مراد یہ ہے کہ شارع مکلّف کو کسی کام کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں اختیار دے دے۔ اور اس فعل کو چھوڑنے یا کرنے میں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ ہو، مکلّف کے فعل میں اس کا اثر اباحت ہے۔ یعنی کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے اور ایسے فعل کو جس میں مکلّف کو اختیار دیا گیا ہو، مباح کہتے ہیں۔

مثال: ﴿ یٰاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴾ (٦٧) اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں اُن کو کھاؤ، اور اللہ کی نعمتوں کا شکر بھی ادا کرو اگر واقعی تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو۔

﴿ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا﴾ (٦٨) اور جب تم احرام اتارو، تو شکار کر سکتے ہو

۵- تہدید (دھمکانا) کے لیے

جس امر سے متکلم کی مراد ممانعت ہو وہ امر تہدیدی ہوتا ہے۔

مثال: ﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾ (٦٩) جو چاہو سو کر لو! جو کچھ تم کرتے ہو وہ اِس کو دیکھ رہا ہے۔ اِس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں: فیه تهدیدٌ شدیدٌ لِلکَفَرةِ الْمُلْحِدِیْن الَّذین یُلْقُوْنَ فی النّار ولیسَ الْمَقْصُوْدُ حَقِیْقَةَ الأمر...فَیُجازِیْکُمْ بحَسْبِ أعمالکُم(٧٠)

اِس آیت کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ آدمی کے دل میں جو آئے سو کرے اِس کی اُس کو اجازت ہے، بلکہ ملحدین اور کفار کے لیے شدید قسم کی تہدید اور ممانعت ہے۔ جن کو جہنم میں پھینکا جائے گا، اور یہاں مقصود حقیقی امر نہیں ہے۔ بلکہ اِس کا مقصد یہ ہے کہ تم اپنی خواہشات اور اپنے ارادے پر مت چلو بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات، مرضی اور ارادے کے مطابق دنیاوی زندگی گذارو۔

۶- التماس ودرخواست کے لیے

جب کوئی شخص اپنے برابر والے آدمی سے کسی کام کو کرنے کے لیے کہے تو ایسے امر کو امر التماسی کہتے ہیں۔

مثال: ﴿اُقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِاطْرَحُوْهُ اَرْضًا یَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِن م بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِیْنَ ، قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ یَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّیَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ﴾(۷۱) یوسف کو قتل کر ڈالو یا اُسے کسی جگہ پھینک آؤ پھر ابا جان کی توجہ صرف تمہاری ہی طرف ہو جائے گی اور اس کے بعد تم اچھی حالت میں ہو جاؤ گے، ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: کہ یوسف کو جان سے نہ مارو! کسی گہرے کنوئیں میں ڈال دو کہ کوئی راہ گیر نکال کر کسی دوسرے مُلک میں لے جائے گا اگر تم کو یہ کام کرنا ہی ہے تو یوں کرو۔

۷- اجازت طلب کرنے کے لیے (یعنی امر تاذینی)

جس صیغہ امر سے کسی کام کی اجازت سمجھی جائے ایسے امر کو امر تاذینی کہتے ہیں۔

مثال: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْهُ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ،فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ ۔(۷۲)

مومن تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لائے اور جب کبھی کسی اجتماعی کام کو موقعہ پر رسول اللہ کے پاس جمع ہوتے ہیں تو اُن سے اجازت لیے بغیر نہیں جاتے، اے پیغمبر جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، لہذا جب یہ لوگ آپ سے کسی کام کے لیے اجازت طلب کریں تو اُن میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیا کریں، اور اُن کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش ومغفرت طلب کیا کریں، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

اِس آیت کریمہ میں ﴿فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ﴾ امر تاذینی ہے

۸- تادیب (ادب سکھانا)

جس امر سے متکلم کا مقصد مخاطبین کے اخلاق کی تہذیب یا ان کو ادب سکھلانا ہو تو ایسے امر کو امر تادیبی کہتے ہیں

مثال: ﴿ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ (۷۳) اور جب تم اپنے گھروں میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں کو سلام کیا کرو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے اسی طرح اللہ اپنی آیات کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو۔

اس آیت کریمہ میں صیغہ امر ''فَسَلِّمُوْا'' استعمال ہوا ہے یہ تہذیب اخلاق ادب سکھلانے کے لیے ہے

دوسری مثال ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر بن اَبی سلمہ کو جو عمر میں چھوٹے تھے کھانے کا ادب سکھانے کے لیے فرمایا: ''كُلْ مِمَّا يَلِيْكَ ''یعنی اپنے سامنے سے کھاؤ۔

((عن عمر بن أبی سلمةَ...قال:أكلتُ يومًا معَ رَسُولِ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسلَّمَ طَعامًا فَجَعَلْتُ اٰكُلُ مِن نواحيي الصحفةِ فقال رَسُولُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسلَّمَ كُلْ مِمَّا يَلِيْكَ،وفی روایة عن وهب بن كيسان أبی نعيم قال:اُتِی رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسلَّمَ بطعامٍ ومعهُ رَبِيْبُهُ عمرُبنُ أبی سلمةَ، فَقال سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ۔(۷۴)

حضرت عمر بن اَبی سلمہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا میں اپنا ہاتھ کھانے والے برتن کے چاروں طرف سے کھانے لگا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے سامنے سے کھاؤ۔ دوسری روایت جس کے راوی حضرت وہب بن کیسان ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا لایا گیا تو اُس وقت آپ کے پاس آپ کے زیر تربیت عمر بن اَبی سلمہؓ بھی اُن کو آپ نے فرمایا اللہ کا نام اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔

۹- انذار (ڈرانے) کے لیے

جس امر سے متکلم کا مقصد مخاطبین کو ڈرانا ہو، تو ایسے امر کو امر انذاری کہتے ہیں۔

مثال: ﴿ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ﴾(۷۵) کہہ دیجئے کہ چند روز فائدے اٹھا لو! آخر کار تم کو دوزخ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

۱۰- احسان جتلانے کے معنی میں

جس امر سے متکلم کا مقصد مخاطبین پر اپنا احسان جتلانا ہو تو ایسا امر امر امتنانی کہلاتا ہے۔

مثال: ﴿ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾(۷۶) ان کے پھل کو غور سے دیکھو جب وہ پھل لائے تو ان کے پکنے کی کیفیت پر بھی نظر کرو، ان میں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔

۱۱- اکرام کے معنی میں

جس امر سے متکلم کا مقصد یہ ہو کہ مخاطبین کی عزت کی جائے تو ایسا امر امر اکرامی کہلاتا ہے۔

مثال: ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ﴾(۷۷) یقیناً متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے (اور ان سے کہا جائے) اِس جنت میں بے خوف و خطر سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

۱۲- تسخیر و تذلیل کے معنی میں

جس امر سے متکلم کا مقصد مخاطبین کو ذلیل کرنا ہو ایسا امر، امر تذلیلی کہلاتا ہے۔

مثال: ﴿ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ﴾(۷۸) پھر جب وہ اِس چیز کی حد سے نکل گئے جس اُن کو روکا گیا تھا، تو ہم اُس سے کہہ دیا کہ ذلیل بندر بن جاؤ۔

﴿وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ﴾(۷۹)

اور تم اُن لوگوں کو خوب جانتے ہو جو تم میں سے ہفتے کے دن (مچھلی کا شکار کرنے) میں حد سے تجاوز کر گئے تھے تو ہم نے اُن سے کہا ذلیل و خوار بندر ہو جاؤ۔

۱۳- تکوین کے معنی میں

جس امر سے متکلم کا مقصد کسی چیز کا عدم سے وجود میں لانا ہو تو ایسا امر، امر تکوینی کہلاتا ہے۔

مثال: ﴿اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنَ﴾(۸۰) پس اُس کی تو شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کر لیتا ہے، تو وہ اُسے حکم دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ چیز ہو جاتی ہے۔

۱۴- تعجیز (عاجز کرنا) کے معنی میں

جس امر سے متکلم کا مقصد مخاطبین کو عاجز کرنا اور اُن کے عجز کا اظہار مقصود ہو، ایسا امر، امر تعجیزی کہلاتا ہے۔

مثال: ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾(۸۱) اور اگر تم اس کتاب میں جو ہم اپنے بندے (محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی ہے کچھ شک ہو، تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ، اور اللہ کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں اُن کو بھی بلا لو! اگر تم سچے ہو۔

۱۵- اہانت وتوہین کے معنی میں

جس امر سے متکلم کا مقصد اپنے مخاطبین کی توہین کرنا ہو ایسا امر، امر اہانت کہلاتا ہے جو الفاظ استعمال ہوئے ہوں اُن میں اگرچہ اعزاز واکرام کے معنی کیوں نہ پائے جاتے ہوں چونکہ کلام کے سیاق وسباق سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں الفاظ اعزاز واکرام کے معنی کے استعمال نہیں ہوئے۔

مثال: ﴿ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ، اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ﴾(۸۲) اب مزہ چکھ تُو بڑا معزز اور مکرم ہے نا! یہ وہی دوزخ ہے جس میں تم لوگ شک کیا کرتے تھے۔

۱۶- تسویہ کے (برابر ہونا) معنی میں

جس امر سے متکلم کا مقصد کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا دونوں پہلو برابر ہوں تو ایسا امر، امر تسویہ کہلاتا ہے۔

مثال: ﴿اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (۸۳)

اس میں داخل ہو جاؤ پھر خواہ اِس پر صبر کرو یا نہ کرو، تمہارے حق میں سب برابر ہے اور تم وہی بدلہ تو دیا جارہے جیسا کہ تم کام کیا کرتے تھے۔

۱۷- دُعا کے معنی میں

جس امر سے متکلم اپنے سے اعلیٰ مرتبہ والی ذات سے کوئی درخواست کرے تو ایسا امر، امر دعائی کہلاتا ہے۔

مثال: ﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ﴾(۸۴) اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کردے! اور تُو ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

۱۸- تمنا و آرزو کے معنی میں

جس امر سے متکلم کی کوئی تمنا و آرزو معلوم ایسا امر، امر تمنائی کہلاتا ہے۔

مثال: ﴿وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾(۸۵) اور دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے اوپر کرم کرو کچھ پانی ہی دے دو یا اُس چیز سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں کھانے کو دے رکھا ہے، وہ جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو اِن دونوں چیزوں کو کافروں پر حرام کر رکھا ہے۔

۱۹- احتقار کے معنی میں

جس امر سے متکلم کا مقصد اپنے مخاطبین کی حقارت کا اظہار ہو، ایسے امر کو امر احتقاری کہتے ہیں۔

مثال: ﴿فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ، فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾(۸۶)

پھر جب جادوگر آ گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے کہا جو تم ڈالنا چاہتے ہو ڈالو! پھر جب اُنہوں نے (اپنی رسیوں اور لاٹھیوں) ڈالا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا جو چیزیں تم بنا کر لائے ہو جادو ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ اسے ابھی نیست و نابود کر دے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا۔

۲۰- انعام کے معنی میں

جس امر سے متکلم کا مقصد اپنے مخاطبین کو کسی نعمت کی یاد دہانی کرانی یا انعام کا ذکر ہو ایسا امر، امر انعامی کہلاتا ہے۔

مثال: ﴿فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ (۸۷)
سو جو چیزیں تمہیں اللہ تعالیٰ نے جائز اور ستھری (یعنی حلال وطیب رزق دیا ہے) دے رکھی ہیں اُن میں سے کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر کرو، اگر تم واقعی تم خاص اُسی کی عبادت کرتے ہو۔

۲۱- تفویض کے معنی میں

جس امر سے متکلم کا مقصد اپنے مخاطب کو ماموبہ (جس چیز کا حکم دیا گیا ہو) کو حوالہ کر دینا ہو ایسا امر، امر تفویضی کہلاتا ہے۔

مثال: ﴿قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِىْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ (۸۸) جادوگروں نے (فرعون سے) کہا جو کچھ دلائل ہمارے پاس آ چکے ہیں اُن پر اور جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اُس پر، ہم تمہیں ہرگز ترجیح نہیں دیں گے۔ تو کر ڈال جو کچھ تجھے کرنا ہے، تُو تو بس اِس دنیا ہی کی زندگی میں (جو کچھ کرنا ہے) کچھ کر سکتا ہے۔

۲۲- تعجب کے معنی میں

جس امر سے متکلم کا مقصد اظہار تعجب ہو ایسے امر کو امر تعجبی کہتے ہیں۔

مثال: ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا﴾ (۸۹)
اے پیغمبر ذرا دیکھو تو! یہ کس کس طرح کی مثالیں آپ پر چسپاں کر رہے ہیں، سو ایسے گمراہ ہو گئے ہیں کہ اب کوئی راستہ نہیں پا سکتے۔

۲۳- تکذیب کے معنی میں

جس امر سے متکلم کا مقصد مخاطبین کے دعاوی کو جھٹلانا ہو ایسے امر کو امرِ تکذیبی کہتے ہیں۔

مثال: ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِيۡلُ عَلٰى نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىةُ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰىةِ فَاتۡلُوۡهَآ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ﴾(۹۰) ہر قسم کا کھانا بنی اسرائیل کے لیے حلال تھا مگر وہ جو اسرائیل (حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے خود اپنے اُوپر حرام کر لیا تھا، تواۃ کے نزول سے پہلے، کہہ دیجیے کہ توراۃ لے آؤ اور اُسے پڑھو اگر تم سچے ہو (یعنی دلیل پیش کرو)

۲۴- مشاورت کے معنی میں

جس امر سے متکلم کا مقصد اپنے مخاطبین سے کسی معاملہ کے بارے میں کوئی مشورہ یا رائے لینی ہو، تو ایسے امر کو امرِ تشاوری کہتے ہیں۔

مثال: سورہ الصافات: ۱۰۲ میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سامنے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے اُن سے مشورہ لینے کی غرض سے فرمایا: فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰی تم سوچ کر بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے؟ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام جواب دیتے ہوئے فرمایا: يَاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (۹۱) اے ابا آپ کو جو حکم ہوا ہے وہی کر ڈالیے، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

۲۵- عبرت و سبق حاصل کرنے کے معنی میں

جس امر سے متکلم کا مقصد مخاطب کو کسی امر میں عبرت دلانا ہو تو ایسے امر کو امرِ اعتباری کہتے ہیں۔

مثال: ﴿وَهُوَ الَّذِيۡٓ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَىۡءٍ فَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهُ خَضِرًا نُّخۡرِجُ مِنۡهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخۡلِ مِنۡ طَلۡعِهَا قِنۡوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّالزَّيۡتُوۡنَ وَالرُّمَّانَ مُشۡتَبِهًا وَّغَيۡرَ مُتَشَابِهٍ اُنۡظُرُوۡۤا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَيَنۡعِهٖ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكُمۡ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ﴾(۹۲)

اور (اللہ) وہی ذات تو ہے جس نے آسمان سے پانی نازل کیا، پھر ہم ہی نے اُس کے ذریعہ سے ہر قسم کی نباتات اُگائیں، پھر ہم نے اُس سے سرسبز کھیت پیدا کیے، ہم نکالتے ہیں اُس میں سے دانے تہ بہ تہ، اور کھجور کے درختوں میں سے اس کے خوشے کے گچھے نیچے جھکے ہوئے اور باغات انگور کے اور زیتون کے اور انار کے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور خصوصیات میں جدا جدا ہیں، ان کے پھل کو غور سے دیکھو، جب وہ پھل لائے تو اِن کے پکنے کی کیفیت پر بھی نظر کرو، ان میں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت ''اُنْظُرُوْا اِلٰی ثَمَرِہٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِہٖ ان کے پھل کو غور سے دیکھو، جب وہ پھل لائے تو اِن کے پکنے کی کیفیت پر بھی نظر کرو'' فرمایا اِس سے مقصد یہ ہے کہ تم عبرت کی نگاہ سے دیکھو، ہمارے آثار اور مظاہر قدرت کو دیکھو! عبرت حاصل کرو، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے کسی بھی لمحہ غافل مت رہو

۲۶- مطلق وقت کے لیے

امر کے جس صیغہ سے متکلم کوئی ایسا حکم دے جس میں کسی معین ومقرر وقت یا کسی صفت کی کوئی قید نہ ہو تو ایسے امر کو امر مطلق کہتے ہیں۔ اس صورت میں مکلّف کو یہ اختیار ہوگا کہ جس وقت وہ چاہے اس کو ادا کرے۔ اور جب بھی وہ اس کو ادا کرلے گا اس کی ذمہ داری ختم ہوجائے گی۔ تاخیر میں اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا ۔

تاہم اس کے لیے یہ مناسب ہے کہ اس کام کے کرنے میں وہ جلدی کرے، کیونکہ عمر کا کسی کو علم نہیں۔ کوئی شخص نہیں جانتا کہ کس وقت اس کی موت واقع ہوجائے اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

- جیسے زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ﴿وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾ (۹۳) اور زکوٰۃ دیا کرو۔ چنانچہ کسی مسلمان کے لیے صاحب نصاب ہوجانے پر (حولان حول) سال مکمل ہوجائے تو اب زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہوجاتی ہے لیکن اِس ادائیگی کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں جب بھی دے گا ادا ہی ہوگی۔ اگرچہ جلدی ادا کردینا مستحب ہے۔
- اگر کسی شخص نے رمضان کے روزے کسی مجبوری شرعی یا عذر کی وجہ سے نہ رکھے ہوں تو وہ جب چاہے اس کی قضا ادا کرسکتا ہے۔ اس کے لیے کسی سال کی قید نہیں ہے۔

- اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی قسم پوری نہ کرے تو اس کا کفارہ جب چاہے ادا کرسکتا ہے۔قسم توڑنے کے فوراً بعد یا کچھ وقت گذرنے کے بعد۔اسی طرح جس شخص پر حج فرض ہو وہ عمر میں جب چاہے حج کرسکتا ہے۔فوراً حج کرنا اس کے لیے ضروری نہیں ہے۔

۲۷- مقید وقت کے لیے

امر کے جس صیغہ سے متکلم کسی کام کے کرنے کا مطالبہ کرے اور اس کے ادا کرنے کے لیے کوئی وقت مقرر کردے، جیسے نماز کی ادائیگی کا حکم دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے ﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ﴾(۹۴) اور نماز قائم کرو۔اور اسی طرح رمضان کے روزے رکھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ﴾(۹۵) رمضان کا مہینہ وہ (مہینہ) ہے جس میں قرآن کریم نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے رہنما ہے اور اِس میں ہدایت کی روشن نشانیاں ہیں اور جو (حق کو باطل سے) جدا کرنے والا ہے، اور تم سے جو کوئی اِس مہینہ کو میں موجود ہے تو لازم ہے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے۔

چنانچہ اللہ رب العزت نے ہر روز پانچ نمازیں، رمضان کے روزے، جن کی ادائیگی کا وقت مقرر کیا ہے۔ اِن کو وقت سے پہلے ادا کرنا جائز نہیں ہے۔اور ان فرائض کو بغیر شرعی عذر کے مقررہ وقت کے بعد ادا کرنے سے آدمی گنہگار ہوگا۔امر مقید میں ادائیگی فعل اور وقت معین دونوں لازمی ہیں۔

۲۸- شرط اور صفت کے معنی کے لیے

جس امر میں کسی کام کا حکم دیا گیا ہو لیکن اُس میں کوئی شرط بھی لگائی گئی ہو یا اُسے کسی صفت کے ساتھ متصف کیا گیا تو ایسے امر میں جب بھی شرط یا صفت پائی جائے گی تو اُس مامور بہ کا تکرار لازمی ہوگا۔

جیسے تیمّم کا حکم دیتے ہوئے شرط لگائی کہ تیمّم وضو اور غسل کا نعم البدل اُسی وقت ہوگا جب کوئی شخص بیمار ہونے کی وجہ سے پانی کے استعمال پر قدرت نہ رکھتا ہو یا سفر میں ہو اور اُسے پانی میسر نہ آئے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيْدُاللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾(۹۶)

اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم سے کوئی بیت الخلاء ہو کر آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی میسر نہ ہو سکے، تو پاک مٹی سے تیمّم کر لو، اور اُس سے مُنہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمّم) کر لو، اللہ تعالیٰ تمہیں کسی قسم کی کوئی تنگی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا بلکہ اللہ تعالیٰ تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے اور اپنی نعمتوں کو پورا کرنا چاہتا ہے تا کہ (اللہ تعالیٰ کا) تم شکر کرو۔

امر معلق بالشرط مع عدم قرینہ تکرار فعل:

جو امر کسی ایسی شرط کے ساتھ معلق ہو جس میں فعل کے تکرار کا قرینہ نہ پایا جاتا ہو تو اس صورت اگر چہ شرط پائی جا رہی ہو تب بھی مامور بہ کو بار بار ادا کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ مامور بہ کو ایک دفعہ ادا کر دینا کافی ہوگا جیسے ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾(۹۷) لوگوں کے ذمہ اللہ کا حق (یعنی فرض ہے) حج کرنا، اُس مکان کا اُس شخص کے ذمہ ہے جو وہاں تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ تعالیٰ سارے جہان والوں سے بے نیاز ہے۔

اِس آیت میں اگر چہ امر کا صیغہ استعمال نہیں ہوا لیکن حرف ''علیٰ'' لزوم پر دلالت کرتا ہے جس سے امر سمجھا جاتا ہے۔ اِس آیت سے بظاہر تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ جب حج کرنے کی استطاعت اور وسائل ہوں اُس وقت بیت اللہ کا حج کرنا بندوں پر فرض ہے، حالانکہ عمر بھر میں ایک ہی دفعہ حج کرنا فرض ہوتا ہے۔ اِس بارے میں احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جس شخص کے پاس استطاعت اور وسائل ہوں اُس زندگی ایک ہی دفعہ حج کرنا فرض ہے (۹۸)

امر مقید بالصفت کی مثال:

جو امر کسی صفت کے ساتھ موصوف ہو اُس کی مثال ﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةً ﴾(۹۹) زنا کار عورت اور زنا کار مرد، دونوں کا حکم یہ ہے کہ اِن میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو

۲۹- امر غیر مشروطی

امر کے جس صیغہ میں متکلم کسی قسم کی کوئی شرط نہ لگائے ایسے امر کو امر غیر مشروطی کہتے ہیں، جیسے کہ قرآن میں اللہ کے نام پر خرچ کرنے کا حکم دیا لیکن اُس میں کوئی شرط نہیں لگائی بلکہ مطلقاً فرمایا جو کچھ تم کماؤ اُس میں سے اللہ کے نام پر خرچ کرو۔ اِسی ایفائے عہد کا حکم دیتے ہوئے مطلقاً حکم دیا کہ آپس میں کیے گئے معاہدات کو پورا کیا کرو

﴿يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَاكَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَاتَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾(۱۰۰)

''اے ایمان والو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اور جو چیزیں ہم تمہارے لیے زمین سے نکالتے ہیں اُن میں سے (اللہ تعالیٰ کی) راہ میں خرچ کرو، خراب اور ناپاک چیزیں دینے کا قصد نہ کرو، کہ اِس میں سے خرچ کرو گے حالانکہ وہ چیزیں اگر تمہیں دی جائیں تو تم خود بھی اِس کے لینے والے نہیں ہو، بجز اِس صورت کے کہ چشم پوشی کر جاؤ، اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور قابل ستائش ہے''۔

۳۰- جملہ خبریہ کا استعمال امر کے معنی میں

کبھی کلام میں استعمال تو صیغہ خبر ہوتا ہے لیکن اُس سے مجازاً امر مراد لیا جاتا ہے جیسے ﴿ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ ﴾(۱۰۱) اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔

اِس جگہ يَتَرَبَّصْنَ کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو عربی گرامر کے لحاظ سے فعل مضارع کا صیغہ ہے لیکن اِس سے مراد صیغہ امر یعنی تَرَبَّصْنَ (روکے رکھیں) ہے، کیونکہ اِس میں حکم پایا جاتا ہے۔

دوسری مثال: جملہ خبریہ جو امر کے مفہوم میں مستعمل ہے اس کی مثال یہ آیت ہے :

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَاَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ (۱۰۲) اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، اِس شخص کے لیے جو چاہے دودھ پلانے کی مدت پوری ہو

یہ حکم اس کے لیے ہے جو شیر خوارگی کی مدت پوری کرنی چاہے اس صیغہ سے مقصود ماؤں کو یہ حکم دینا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو دودھ پلائیں، اِس سے یہ خبر دینا مقصود نہیں ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہیں۔

اوامر قرآن کریم

کبھی تو امر کے صیغہ سے کسی فعل کا وجوب یا کسی فعل کا ترک کرنا ثابت ہوتا ہے اور بعض اوقات قرآن کریم میں لفظ امر سے کسی فعل کا وجوب اور حکم یا کسی فعل کا ترک کرنا ثابت ہوتا ہے۔ ذیل میں چند آیات کریمہ کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں لفظ امر کا استعمال ہوا ہے اور اُس سے کسی فعل کا وجوب اور حکم یا کسی فعل کا ترک کرنا ثابت ہو رہا ہے۔

۱- ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (۱۰۳) اور تم ایک جماعت ایسی ہونی چاہئیے جو لوگوں کو نیکی کی دعوت دیتی رہی اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور بُرے کاموں سے منع کرے، یہی لوگ ہیں درحقیقت فلاح پانے والے۔

۲- ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا م بَصِيْرًا﴾ (۱۰۴) بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں اُن کے حوالے کر دیا کرو، اور جب تم لوگوں کے مابین فیصلہ کرنے لگو، تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، بے اللہ تعالیٰ ہر بات کا سُننے والا، ہر چیز کو دیکھنے والا ہے

۳- ﴿قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (۱۰۵) آپ کہہ دیجیئے کیا اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا سرپرست بنا لوں؟ وہ اللہ جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی سب کو روزی دیتا ہے اور خود کسی سے کھانا نہیں لیتا، کہہ دو! بے شک مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہوں، اور

یہ کہ ہرگز نہ شامل ہونا شرک کرنے والوں میں۔

۴- ﴿لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾(۱۰۶) اُس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اِسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے اول فرمانبردار ہوں

۵- ﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ کَمَا بَدَاَکُمْ تَعُوْدُوْنَ﴾(۱۰۷) کہہ دو کہ میرے پروردگار نے تو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ہر نماز کے وقت (قبلہ کی طرف) سیدھا رخ کیا کرو، اور خاص اُسی کی عبادت کرو اور اُسی کو پکارو، اُس نے جس طرح تمہیں پیدا کیا تھا اِسی طرح تم پھر پیدا کیے جاؤ گے۔

۶- ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ﴾(۱۰۸) اُن کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اللہ واحد کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ اُن لوگوں کے شریک کرنے سے پاک ہے

۷- ﴿فَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَکَ وَلَا تَطْغَوْا اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾(۱۰۹) پس (اے پیغمبر) آپ بھی ثابت قدم رہیں جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ بھی جو تائب ہو کر آپ کے ساتھ ہیں اور حدود سے تجاوز نہ کرنا، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے سب عمال کو دیکھ رہا ہے

۸- ﴿اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾(۱۱۰) اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے اُس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

۹- ﴿یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ﴾(۱۱۱) وہ فرشتوں کو وحی دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے بھیجتا ہے، کہ لوگوں کو بتا دو، کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو مجھ ہی سے ڈرو۔

۱۰- ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ﴾(۱۱۲) یقیناً اللہ تعالیٰ تم کو انصاف کرنے اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو

(خرچ سے) مدد دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برے کاموں سے اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے اور تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔

۱۱- ﴿وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا﴾ (۱۱۳) اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے، اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے

۱۲- ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ (۱۱۴) اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور اِس پر قائم رہو، ہم تم سے رزق نہیں مانگتے، بلکہ ہم تو تمہیں رزق دیتے ہیں اور اچھا انجام اہل تقویٰ کا ہے۔

۱۳- ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ﴾ (۱۱۵) اور ہم نے اُن کو پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے، اور ہم نے انہیں بذریعہ وحی حکم دیا تھا نیک کام کرنے کا، نماز قائم کرنے کا، اور زکوٰۃ دینے کا اور وہ ہماری عبادت کرنے والے تھے۔

۱۴- ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (۱۱۶) اور جو لوگ رسول اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں اُن کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو، کہ اُن پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو۔

۱۵- ﴿اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (۱۱۷) اصل بات یہ ہے کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اِس شہر مکہ کے رب کی عبادت کروں جس اُسے محترم (اور مقام ادب) بنایا ہے اور جو ہر چیز کا مالک ہے اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ اُس کا اطاعت شعار بن کر رہوں

۱۶- ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (۱۱۸) اور کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اُس کا رسول کسی معاملہ کا کوئی فیصلہ فرما دیں تو اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں، اور جو کوئی

اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہ ہے۔

۱۷- ﴿فَلِذٰلِکَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ کِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ لَاحُجَّةَ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ﴾(۱۱۹) لہذا تم بھی اِسی دین کی طرف دعوت دو، اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے اِسی پر ثابت قدم رہو اور اُن کی خواہشات کی پیروی نہ کرنا، اور کہہ دو میں ان کتابوں پر ایمان لایا جو اللہ نے نازل فرمائی ہیں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے میں تمہارے درمیان انصاف کروں ، اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک دن جمع کرے گا اور ہم سب کو اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

۱۸- ﴿ وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ﴾ (۱۲۰) اور جو اپنے پروردگار کا فرمان قبول کرتے ہیں، اور نماز ادا کرتے ہیں اور اپنے کام آپس میں مشورے سے کرتے ہیں اور جو مال ہم نے اُن کو عطا کیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں

۱۹- ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَهْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓئِکَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴾(۱۲۱) اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے اور جس پر تند خو اور سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کو جو حکم دیتا ہے وہ اُس کی کبھی بھی نافرمانی نہیں کرتے، اور ہر وہ کام کر گذرتے ہیں جس کا اُن کو حکم دیا جاتا ہے۔

۲۰- ﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوةَ وَذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَةِ﴾(۱۲۲) اور نہیں حکم دیا گیا تھا اُنہیں مگر یہ کہ اللہ کی عبادت کریں، اور اُسی کے لیے اپنے دین کو خالص کرتے ہوئے یکسو ہو کر، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔

حواشی وحوالہ جات

(۱)الباجی، قاضی ابوالولید سلیمان بن خلف الاندلسی القرطبی الذہبی، الاشارہ فی اصول الفقہ ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز ، الریاض ، ۱۹۹۶ء، ص:۳۳۲۔

(ii) الغزالی، الإمام محمد بن محمد، المستصفی من علم الأصول، الجامعۃ الإسلامیۃ المدینۃ المنورۃ، ۳:۱۱۹۔

(iii) النسفی، ابوالبرکات عبداللہ بن أحمد، کشف الأسرار شرح المصنف علی المنار، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱:۴۴

(iv) ڈاکٹر وہبہ الزحیلی، أصول الفقہ الإسلامی، دارالحسان للنشر والتوزیع، طہران، ایران، ۱۹۹۷ء، ۱:۲۱۸۔

(v) شیخ محمد الخضری بک، اصول الفقہ، المکتبہ التجاریۃ الکبری، قاہرہ، مصر، ص:۱۹۴۔

(۲)الرازی، فخرالدین محمد بن عمر، المحصول فی علم الاصول، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ۱۹۹۷ء، ۱:۲۴۵۔

(۳)ہود:۹۷۔

(۴)البزدوی، فخرالاسلام، کشف الاسرار عن اصول فخرالاسلام، ۱:۳۷۱۔

(ii) السرخسی، أبوبکر محمد بن أحمد، اصول السرخسی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۳ء، ۱:۱۱۔

(iii) البصری، ابوالحسین محمد بن علی المعتزلی، المعتمد فی أصول الفقہ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱:۴۱۔

(۵)أبوبکر أحمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی، أحکام القرآن للجصاص، ۸:۲۸۸۔

(۶)(النسآء:۵۹، المآئدۃ:۹۲، النور:۵۴، محمد:۳۳، التغابن:۱۲)

(۷)البقرۃ:۲۲۸ اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔

(۸)البقرۃ:۲۳۳۔

(۹)محمد:۴۔

(۱۰)تفصیل کے لیے دیکھئے:(ر)الرازی، فخرالدین محمد بن عمر، المحصول فی علم الاصول، ۱:۲۶۳۔

(۱۱)البقرۃ:۱۸۵۔

(۱۲)الجامع الصحیح للبخاری، المکتبۃ السلفیۃ، القاہرۃ، کتاب الأدب، باب مَن کانَ یُؤمِنُ باللہ والیوم الآخر فَلا یُؤذِ جارَہٗ، ۴:۹۴، رقم:۶۰۱۷۔

(۱۳) الصافات:۱۰۲۔

(۱۴) الزمخشری، جاراللہ محمود بن عمر، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل، مظہری کتب خانہ کراچی، سن ندارد، ۴:۵۴۔

(ii) برہان الدین ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی، نظم الدرر فی تناسب الآیات والسُّور، دار الکتاب الاسلامی، القاہر، ۱۶:۲۶۴۔

(iii) عبدالرشید نعمانی، لغات القرآن، دار الاشاعت کراچی، ۱۹۸۶ء، ۱:۲۴۴۔

(۱۵) طٰہٰ:۱۳۲۔

(۱۶) ابن العربی، محمد بن عبداللہ، أحکام القرآن لإبن العربی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۱:۳۵۳۔

(۱۷) الکہف:۲۱۔

(۱۸) السرخسی، أبوبکر محمد بن أحمد، اصول السرخسی، ۱:۱۲۔

(۱۹) آل عمران:۱۵۹۔

(۲۰) الرازی، فخر الدین محمد بن عمر، التفسیر الکبیر اومفاتیح الغیب، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۰، ۲۷:۱۵۲۔

(ii) البزدوی، فخر الاسلام، کشف الاسرار عن اصول فخر الاسلام، ۱:۳۹۲۔

(۲۱) الم السجدۃ:۵۔

(۲۲) الاعراف:۵۴۔

(۲۳) السرخسی، أبوبکر محمد بن أحمد، اصول السرخسی، ۱:۱۲۔

(۲۴) الآلوسی، ابوالفضل شہاب الدین السید محمود البغدادی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۴ء، ۴:۲۰۴۔

(۲۵) الانعام:۷۱۔

(۲۶) التوبۃ:۴۸۔

(۲۷) السرخسی، أبوبکر محمد بن أحمد، اصول السرخسی، ۱:۱۲۔

(۲۸) النحل:۱۔

(۲۹) یونس:۲۴۔

(۳۰) ہود:۹۷۔

(۳۱) البزدوی، فخر الاسلام، کشف الاسرار عن اصول فخر الاسلام، ۱:۳۹۱۔

(۳۲) النحل:۷۷۔

(۳۳) الطلاق:۱۲۔

(۳۴) السرخسی، أبوبکر محمد بن أحمد، اصول السرخسی، ۱:۱۲۔

(۳۵) الاسرا:۸۵۔

(۳۶) الآلوسی، ابوالفضل شہاب الدین السید محمود البغدادی، روح المعانی، فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ۸:۱۸۶۔

(۳۷) البیضاوی، ناصر الدین ابوالخیر عبداللہ بن عمر، أنوار التنزیل وأسرار التاویل، ۳:۶۴۔

(۳۸) الشوریٰ:۵۳۔

(۳۹) أبوحیان محمد بن یوسف، تفسیر البحر المحیط، ۹:۴۹۱۔

(۴۰) ہود:۱۰۱۔

(۴۱) السرخسی، أبوبکر محمد بن أحمد، اصول السرخسی، ۱:۱۲۔

(۴۲) یس:۸۲۔

(۴۳) الآلوسی، ابوالفضل شہاب الدین السید محمود البغدادی، روح المعانی، فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ۱۲:۵۵، ۷:۳۷۲۔

(۴۴) حم السجدۃ:۱۲۔

(۴۵) ابوحیان محمد بن یوسف بن علی حیان، تفسیر البحر المحیط، ۹)۴۴۴۔

(۴۶) البیضاوی، ناصر الدین ابوالخیر عبداللہ بن عمر، أنوار التنزیل وأسرار التاویل، ۵:۱۳۹۔

(ii) السرخسی، أبوبکر محمد بن أحمد، اصول السرخسی ۱:۱۴۔

(۴۷) الطلاق:۹۔

(۴۸) السرخسی، أبوبکر محمد بن أحمد، اصول السرخسی، ۱:۱۲۔

(۴۹) ڈاکٹر وہبہ الزحیلی، أصول الفقہ الأسلامی، ۱:۲۲۰۔

(۵۰) شیخ محمد الخضری بک، اصول الفقہ، ص:۱۹۵۔

(۵۱) ایضاً:ص:۱۹۵۔

(۵۲) الجوینی، امام الحرمین أبوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ، البرہان فی أصول الفقہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۷، ۱:۶۷۔

(۵۳) الرازی، فخر الدین محمد بن عمر، المحصول فی علم الاصول، ۱:۲۶۹۔

(۵۴) ایضاً، ۱:۲۷۰۔

(۵۵) الباجی، قاضی ابوالولید سلیمان بن خلف الاندلسی القرطبی الذہبی، الاشارہ فی اصول الفقہ، ص:۳۳۲۔

(ii) النسفی، ابوالرکات عبداللہ بن أحمد، کشف الأسرار شرح المصنف علی المنار، ۱:۵۳

(۵۶) البصری، ابوالحسین محمد بن علی المعتزلی، المعتمد فی أصول الفقہ، ۱:۵۰۔

(ii) الجوینی، امام الحرمین أبوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ، البرہان فی أصول الفقہ، ۱:۶۸۔

(۵۷) ابو الحسن علاء الدین علی محمد المعروف بابن اللحام، المختصر فی أصول الفقه علی مذهب الإمام أحمد بن حنبل، دار الکتب للعلمیة، بیروت ۲۰۰۰ء ص: ۱۱۳۔

(۵۸) النور: ۶۳

(۵۹) الجامع الصحیح للبخاری، کتب الجمعة، باب السواک یوم الجمعة، ۱: ۲۸۳، رقم: ۸۸۷۔

(۶۰) الرازی، فخر الدین محمد بن عمر، المحصول فی علم الاصول، ۱: ۲۷۱-۳۰۰

(ii) النسفی، ابوالرکات عبداللہ بن أحمد، کشف الأسرار شرح المصنف علی المنار، دار الکتب العلمیة، بیروت، ۱: ۵۰-۵۳

(iii) شیخ محمد الخضری بک، اصول الفقه، ص: ۱۹۷-۲۰۰۔

(۶۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(i) السرخسی، أبوبکر محمد بن أحمد، اصول السرخسی، ۱: ۱۴۔

(ii) الجوینی، امام الحرمین أبو المعالی عبد الملک بن عبداللہ، البرهان فی أصول الفقه، ۱: ۶۱-۷۰

(iii) البزدوی، فخر الاسلام، کشف الاسرار عن اصول فخر الاسلام، ۱: ۳۵۲

(iv) الغزالی، الإمام محمد بن محمد، المستصفی من علم الأصول، ۳: ۱۲۸-۱۳۰

(v) الباجی، قاضی ابوالولید سلیمان بن خلف الاندلسی القرطبی الذہبی، الاشارہ فی اصول الفقه، ص: ۳۳۲-۳۳۵

(vi) الرازی، فخر الدین محمد بن عمر، المحصول فی علم الاصول، ۱: ۲۶۴

(vii) ابوالحسن علاء الدین علی محمد المعروف بابن اللحام، المختصر فی أصول الفقه علی مذهب الإمام أحمد بن حنبل، ص: ۱۱۲

(viii) النسفی، ابوالرکات عبداللہ بن أحمد، کشف الأسرار شرح المصنف علی المنار، دار الکتب العلمیة، بیروت، ۱: ۵۲

(ix) ڈاکٹر وہبہ الزحیلی، أصول الفقه الإسلامی، ۱: ۲۲۰-۲۲۱

(۶۲) البقرة: ۴۳

(۶۳) النور: ۵۶۔

(۶۴) النور: ۳۳۔

(۶۵) الغزالی، الإمام محمد بن محمد، المستصفی من علم الأصول، ۳: ۱۳۲۔

(۶۶) البقرة: ۲۸۲۔

(۶۷) البقرة: ۱۷۲۔

(۶۸) المآئدة: ۲۔

(۶۹) حم السجدة: ۴۰۔

(۷۰) روح المعانی، فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ۱۲: ۳۷۸

(۷۱) یوسف:۹۔

(۷۲) النور:۶۲۔

(۷۳) النور:۶۱۔

(۷۴) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الأطعمة،باب الأکل مما یلیک،۴۳۱:۳،رقم:۵۳۷۷،۵۳۷۸۔

(۷۵)ابراہیم:۳۰۔

(۷۶) الانعام:۹۹۔

(۷۷) الحجر:۴۵،۴۶۔

(۷۸) الاعراف:۱۶۶۔

(۷۹) البقرة:۶۵۔

(۸۰) یس:۸۲۔

(۸۱) البقرة:۲۳۔

(۸۲) الدخان:۴۹،۵۰۔

(۸۳) الطّور:۱۶۔

(۸۴) الاعراف:۸۹۔

(۸۵) الاعراف:۵۰۔

(۸۶) یونس:۸۰-۸۱۔

(۸۷) النحل:۱۱۴۔

(۸۸) طہ:۷۲۔

(۸۹) الفرقان:۹۔

(۹۰) آل عمران:۹۳۔

(۹۱) الصّافات:۱۰۲۔

(۹۲) الانعام:۹۹۔

(۹۳) البقرة:۴۳۔

(۹۴) البقرة:۴۳۔

(۹۵) البقرة:۱۸۵۔

(۹۶) المآئدة:۶۔

(۹۷) البقرۃ:۲۶۷۔

(۹۸) آل عمران:۹۷۔

(۹۹) الآلوسی، ابوالفضل شہاب الدین السید محمود البغدادی، روح المعانی، فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ۲:۲۲۴-۲۲۸۔

(۱۰۰) النور:۲۔

(۱۰۱) البقرۃ:۲۲۸۔

(۱۰۲) البقرۃ:۲۳۳۔

(۱۰۳) آل عمران:۱۰۴۔

(۱۰۴) النسآء:۵۸۔

(۱۰۵) الانعام:۱۴۔

(۱۰۶) الانعام:۱۶۳۔

(۱۰۷) الاعراف:۲۹۔

(۱۰۸) التوبۃ:۳۱۔

(۱۰۹) ہود:۱۱۲۔

(۱۱۰) یوسف:۴۰۔

(۱۱۱) النحل:۲۔

(۱۱۲) النحل:۹۰۔

(۱۱۳) مریم:۵۵۔

(۱۱۴) طہٰ:۱۳۲۔

(۱۱۵) الأنبیاء:۷۳۔

(۱۱۶) النور:۶۳۔

(۱۱۷) النمل:۹۱۔

(۱۱۸) الأحزاب:۳۶۔

(۱۱۹) الشوریٰ:۱۵۔

(۱۲۰) الشوریٰ:۳۸۔

(۱۲۱) التحریم:۶۔

(۱۲۲) البینۃ:۵۔

سنن نسائی اور اس کا اسلوب تدوین

* ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی

امام نسائی کا مختصر تعارف

سنن نسائی کے مؤلف امام نسائی کا نام احمد اور کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔ پورا نسب یوں ہے: احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن دینار۔ آپ خراسان کے شہر ''نَسا'' میں پیدا ہونے کی وجہ سے نسائی کہلاتے ہیں۔ ۲۱۵ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۳ صفر ۳۰۳ ہجری میں وفات پائی۔ آپ مکہ معظمہ میں صفاء ومروہ کے درمیان مدفون ہیں۔ ابتدائی تعلیم آپ نے خراسان ہی میں حاصل کی۔ پندرہ سال کے ہوئے تو عراق، شام اور مصر کا سفر کیا اور بڑے بڑے ائمہ فن سے علمی استفادہ کیا(۱)۔

امام نسائی کو تمام اسلامی علوم میں مہارت حاصل تھی۔ علم حدیث میں ان کا مقام خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ارباب سیر اور ان کے معاصرین نے علم حدیث میں ان کے فضل وکمال اور علمی تبحر کا اعتراف کیا ہے(۲)۔ ان کی مختلف النوع تصانیف میں سے کچھ یہ ہیں: الأخوة والأخوات، الأسماء والكنى، اسماء الرواة والتمييز بينهم، الإغراب =مسند حديث شعبة وسفيان، إملأته الحديثية، تسمية فقهاء الأمصار من أصحاب رسول، الله ﷺ ومن بعده من أهل المدينة، تسمية من لم يروعنه غير رجل واحد،الجرح والتعديل، جزء من حديث عن النبى ﷺ،حديث قتيبة بن سعد ، عن أبى عوانه ، خصائص على، ذ كر المدلسين،الرباعيات من كتاب السنن المأثورة، السنن الصغرى(المجتبىٰ)، السنن الكبرى، شيوخ الزهرى،الضعفاء والمتروكين، الطبقات ، عمل يوم وليلة والراجح أنه من الكبرى ، مسند حديث ابن جريج، مسند حديث الزهرى يعلله والكلام عليه، مسند حديث سفيان الثورى، مسند حديث شعبة بن الحجاج، مسند

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ قرآن وتفسیر کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

حديث مالك بن انس، مسند حديث يحيىٰ بن سعيد القطان، مسند على بن أبى طالب، مسند منصور بن زاذان الواسطى، معجم شيوخه، مناسك الحج اور من حدَّث عن ابن أبى عروبة ولم يسمع عنه (۳)۔

سنن نسائی کا تعارف

امام نسائی کی سنن کا تعارف درج ذیل نکات کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے:

سنن کا نام اور سبب تألیف

امام نسائی نے ابتداء میں ایک کتاب میں احادیث کو مدون کیا جس کا نام ''السنن الكبرى'' رکھا۔ اس کو امیر رملہ (۴) کی خدمت میں پیش کیا۔ اس نے پوچھا کہ کیا اس میں تمام احادیث صحیح ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، اس میں صحیح اور حسن دونوں قسم کی روایات موجود ہیں۔ امیر نے عرض کیا کہ آپ میرے لیے صرف صحیح احادیث کا انتخاب فرمادیں۔ چنانچہ آپ نے خود ''السنن الكبرى'' میں سے صحیح نوعیت کی احادیث کا انتخاب فرمایا اور اس انتخاب کا نام ''المجتبىٰ'' رکھا اور یہی کتاب ''سنن النسائى'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اصحاب شروح وحواشی جب کبھی أخرجه النسائى کہتے ہیں تو یہی سنن مراد ہوتی ہے (۵)۔

کتب صحاح میں سنن نسائی کا مقام

سنن نسائی کتب صحاح ستہ میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ بخاری اور مسلم دونوں کے فقیہانہ ومحدثانہ طریقوں کی جامع ہے لیکن افادیت میں ان کتابوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس میں صرف روایات ہی کو مدون نہیں کیا گیا ہے بلکہ علل حدیث اور دیگر علوم وفنون کو بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ حسن ترتیب اور جودت تالیف میں بھی ممتاز ہے۔ اس حقیقت کی تائید درج ذیل اقوال سے ہوئی ہے:

① حافظ ابوعبداللہ بن رشید (م ۷۲۱ھ) (۶) کہتے ہیں:

'' وأنه أبدع الكتب المصنفة فی السنن تصنیفاً وأحسنها ترصیفاً، وهو جامع بین طریقتی البخاری و مسلم مع حظ کبیر من بیان العلل''(۷)۔

(علم سنن میں جس قدر کتب تالیف ہوئی ہیں، ان سب میں یہ کتاب تصنیف کے لحاظ سے انوکھی اور ترتیب کے لحاظ سے بہترین ہے۔ یہ بخاری و مسلم دونوں کے اسلوب کی جامع ہے۔ نیز علل حدیث کے ایک خاصے حصّے کا بیان اس میں آ گیا ہے)۔

۲۔ حافظ سخاوی نے ابن الاحمرؒ (م ۳۶۵ھ) (۸) کے بعض مکی شیوخ کا یہ قول نقل کیا ہے:

''أنه أشرف المصنفات کلها وما وضع فی الاسلام مثله''(۹)۔

(یہ اس فن کی تمام تصنیفات سے بڑھ چڑھ کر ہے اور اسلام میں اس کی مثل کوئی کتاب نہیں لکھی گئی)۔

۳۔ امام نسائی خود فرماتے ہیں:

''کتاب السنن صحیح کله وبعضه معلول . والمنتخب المسمی المجتبیٰ صحیح کله''(۱۰)۔

(کتاب السنن تمام تر صحیح ہے اور اس کے بعض حصے میں علت ہے، منتخب مجتبیٰ نامی کتاب تمام تر صحیح ہے)۔

یہ اقوال اور جو اُن کے علاوہ ہیں (۱۱) واضح طور پر دلالت کرتے ہیں کہ سنن نسائی مصادر حدیث بالخصوص صحاح ستہ میں ایک اہم اور منفرد مقام و مرتبہ کی حامل ہے۔ یہ انفرادیت امام نسائی کی شروط سے بھی عیاں ہوتی ہے۔

امام نسائی کی شرائط

شرائط کے اعتبار سے امام نسائیؒ کی کتاب ''السنن'' خاص اہمیت کی حامل ہے۔ فن حدیث کے ماہرین نے جب راویان حدیث کی جانچ پرکھ کی تو انہیں معلوم ہوا کہ تنقیدِ رواۃ اور صحت اسناد کے بارے میں امام نسائی کی شرائط

بہت سارے دیگر محدثین کے مقابلہ میں کافی سخت ہیں، حتیٰ کہ بعض علماء نے بخاری و مسلم سے بھی زیادہ سخت قرار دیا ہے۔ ذیل میں کچھ اقوال نقل کیے جاتے ہیں جن سے امام نسائی کی شرائط کا پتہ چلتا ہے:

۱۔ امام نسائی خود فرماتے ہیں:

''جب میں نے کتاب السنن مدون کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے ان شیوخ سے روایت کرنے میں استخارہ کیا جن کے متعلق میرے قلب میں کسی طرح کا شک تھا، چنانچہ بہتر یہ معلوم ہوا کہ ان سے روایت نہ کروں۔ لہٰذا بہت سی ایسی روایتیں جنہیں میں عالی سند سے بیان کر سکتا تھا ان کو اسی وجہ سے نازل سند سے نقل کیا ہے'' (۱۲)۔

۲۔ ابن طاہر مقدسی کہتے ہیں:

''میں نے امام ابوالقاسم سعد بن علی زنجانی (م ۴۷۱ھ) (۱۳) سے ایک راوی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کی توثیق کی۔ میں نے کہا کہ امام نسائی تو اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ بیٹا! رجال میں امام نسائی کی شرائط امام بخاری اور امام مسلم سے زیادہ سخت ہیں'' (۱۴)۔

۳۔ حافظ ابوطالب فرماتے ہیں:

''امام نسائی جس پر صبر کر گئے اس پر اور کون صبر کر سکتا ہے۔ ان کے پاس ہر ہر باب کے لیے ابن لہیعہ (م ۱۷۴ھ) (۱۵) کی احادیث تھیں مگر انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی کیونکہ وہ ابن لہیعہ کی حدیث روایت کرنا درست نہیں سمجھتے تھے'' (۱۶)۔

۴۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

''فكم من رجل أخرج له أبو داود و الترمذی تجنب النسائی اخراج حديث جماعة من رجال الصحيحين'' (۱۷)۔

(بہت سے ایسے اشخاص ہیں کہ جن سے ابوداؤد اور ترمذی نے روایتیں لی ہیں، مگر امام نسائی نے ان کی روایتوں سے احتراز کیا ہے بلکہ امام نسائی نے تو صحیحین تک کے راویوں

کی ایک جماعت سے حدیث روایت کرنے سے اجتناب کیا ہے)۔

۵۔ مشہور محدث امام ابوالحسن معافری (م۴۰۳ھ) جو محدث دارقطنی اور حاکم کے معاصر ہیں، فرماتے ہیں:

''اذا نظرت الی مایخرجه أهل الحدیث فما خرجه النسائی أقرب الی الصحة مماخرجه غیره''(۱۸)۔

(جب تم محدثین کی روایت کردہ احادیث پر نظر ڈالو گے تو جس حدیث کی تخریج امام نسائی نے کی ہوگی وہ دوسروں کی روایت کردہ حدیث کے مقابلہ میں صحت کے زیادہ قریب ہو گی)۔

۶۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ علماء کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''وفی الجملة فکتاب النسائی اقل الکتب بعد الصحیحین حدیثا ضعیفا ورجلا مجروحا و یقاربه کتاب ابی داؤد وکتاب الترمذی''(۱۹)

(اور بالجملہ امام نسائی کی کتاب میں ضعیف حدیث اور مجروح راویوں کی تعداد صحیحین کے بعد سب کتابوں سے کم ہے۔ اس کے قریب امام أبوداؤد اور امام ترمذی کی کتابیں ہیں)۔

۷۔ علامہ حازمیؒ (م۵۲۸ھ) نے بھی یہی فیصلہ فرمایا ہے کہ امام أبوداؤد کی طرح امام نسائی بھی کامل الضبط وکثیر الملازمۃ، کامل الضبط وقلیل الملازمۃ اور ناقص الضبط وکثیر الملازمۃ راویوں کے ان طبقوں سے استیعاب کرتے ہیں جبکہ ناقص الضبط وقلیل الملازمۃ سے انتخاب کرتے ہیں اور پانچویں طبقہ (یعنی الضعفا والمجاهیل) سے اصلاً روایت نہیں کرتے (۲۰)۔

حافظ جلال الدین سیوطی نے احادیث نسائی کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

(الف) وہ احادیث جو بخاری اور مسلم میں ہیں۔

(ب) وہ احادیث جو بخاری اور مسلم کی شرائط کے مطابق ہیں۔

(ج) وہ احادیث جن کی تخریج خود امام نسائی نے کی ہے اور اگر ان میں کوئی علت تھی تو اسے بیان کر دیا ہے(۲۱)۔

خلاصہ یہ کہ صحیحین کے بعد امام نسائی کی شرائط سب سے سخت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم سنن نسائی کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

اسلوب تدوین

امام نسائی نے اپنی سنن کی تدوین و ترتیب میں جو اسالیب و مناہج اختیار کیے، ان میں سے چند ایک کو درج ذیل نکات کی صورت میں بیان کیا جاتا ہے:

1- ترتیب سنن

امام نسائیؒ نے اپنی سنن کو فقہی کتب و ابواب کے اسلوب پر مرتب کیا ہے۔ پہلے وہ ایک کتاب قائم کرتے ہیں پھر اسے کئی ابواب میں تقسیم کر دیتے ہیں اور ہر باب کے لیے ایک ترجمہ (عنوان) وضع کرتے ہیں، پھر اس کے تحت احادیث بیان کرتے ہیں۔

2- تکرار حدیث

امام نسائی کا ایک اسلوب یہ ہے کہ وہ مختلف مسائل کے اثبات کے لیے ایک حدیث کو کئی ابواب میں مکرر ذکر کرتے ہیں، مثلاً:

الف۔ " لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةً بِغَيْرِ طُهُورٍ وَلَا صَدَقَةً مِنْ غُلُولٍ "۔ اس حدیث کو امام نسائی نے كتاب الطهارة کے باب فَرْضِ الْوُضوءِ میں بھی بیان کیا ہے اور كتاب الزكاة کے باب الصَّدَقَةِ مِنْ غُلُوْلٍ میں بھی۔

ب۔ اسی طرح ضمام بن ثعلبہ کی وہ روایت جس میں اس نے نبی اکرم ﷺ سے ارکان اسلام کے متعلق پوچھا۔ اس روایت کو امام نسائی ایک بار كِتَابُ الصَّلَاة کے باب كَمْ فُرِضَت فِي الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ اور دوسری بار كِتَابُ الإِيْمَان و شرائعه کے بَابُ الزَّكَاةِ کے تحت ذکر کیا ہے۔

ج۔ اسی طرح حدیث جبرائیل کو ایک بار کتابُ الایمان کے بَابُ نَعْتِ الاسْلَامِ اور دوسری بار صِفَةُ الْاِیْمَانِ وَالْاِسْلَامِ کے تحت بیان کیا ہے۔

3 اسانید اور احادیث ذکر کرنے کا اسلوب

اسانید اور احادیث ذکر کرنے میں امام نسائی کا اسلوب یہ ہے کہ:

الف۔ وہ ایک متن حدیث کے جتنے بھی طرق (اسانید) روایت ہوں سب کو اختلاف الفاظ کے ساتھ ایک ہی جگہ جمع کر دیتے ہیں۔

ب۔ وہ تمام اسانید روایت ذکر کرنے کے بعد بعض اوقات ان اسانید میں سے مجروح نوعیت کی سندوں کی نشاندہی بھی کرتے ہیں اور بعض اوقات ان اسانید میں محاکمہ بھی کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ ان میں سے کون سی سند صحیح اور کون سی غیر صحیح ہے۔ اگر تمام اسانید صحیح ہوں تو بتلاتے ہیں کہ ان میں سے زیادہ صحیح اور زیادہ راجح کون سی سند ہے، مثلاً: امام نسائی نے کِتَابُ النِّکَاح کے باب النَّهْيِ عَنِ التَّبَتُّلِ (مجرد) کے تحت وہ حدیث بیان کی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے تجرد سے منع کیا ہے۔ اس حدیث کو امام نسائی نے پانچ طرق سے ذکر کیا ہے:

الف۔ ایک روایت اسماعیل بن مسعود (۲۲) کی ہے جس کی سند میں اشعث (۲۳) ہے۔

ب۔ دوسری روایت اسحاق بن ابراہیم (۲۴) کی ہے جس میں قتادہ (۲۵) ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں: ''قَتَادَةُ أَثْبَتُ وَأَحْفَظُ مِنْ أَشْعَثَ وَ أَشْعَثُ أَشْبَهُ بِالصَّوَابِ''۔ (قتادہ اشعث سے زیادہ احفظ اور اشعث اثبت ہے مگر اشعث کی حدیث اشبہ بالصواب ہے)۔

ج۔ تیسری روایت میں حَتّ (یحییٰ بن موسیٰ) (۲۶) ہیں جو زہری سے روایت کرتے ہیں۔ امام نسائی فرماتے ہیں: ''اَلْأَوْزَاعِيُّ لَمْ يَسْمَعْ هَذَا الْحَدِيْثَ مِنَ الزُّهْرِيِّ''۔ (یعنی امام اوزاعی (۲۷) کا امام زہری سے سماع ثابت نہیں ہے)۔

د۔ اسی طرح کِتَابُ الطَّلَاق کے باب التَّوْقِيْتِ فِي الْخِيَارِ (خیار کی مدت متعین کرنا) کے تحت اس

حدیث کو بیان کیا ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اختیار دیا تھا کہ وہ تنگی گزران کی وجہ سے حضور ﷺ کو چھوڑ دیں یا اس کے باوجود حضور ﷺ کے نکاح میں رہیں۔ اس حدیث کو امام نسائی نے دوسندوں کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد دوسری سند اور حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: ''هَذَا خَطَأٌ وَالأَوَّلُ أَوْلَى بِالصَّوَاب''(۲۸)۔(یہ خطا ہے اور پہلی روایت درست ہے)۔

4- حدیث کے غریب اور موقوف ہونے کا بیان

بعض دفعہ ایک حدیث غریب سند سے مرفوعاً مروی ہوتی ہے اور مشہور سند کے لحاظ سے وہ حدیث موقوف ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں امام نسائی کا اسلوب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث کے غریب اور موقوف ہونے کو بیان کر دیتے ہیں، مثلاً: روایت کرتے ہیں: أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ(۲۹)عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَمْرِ و بْنِ يَحْيَىٰ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ يَسَارٍعَنْ ابْنِ عُمَرَقَالَ: ''رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي عَلَى حِمَارٍ وَهُوَ مُتَوجِّهٌ اِلَى خَيْبَرَ''(۳۰)۔(میں نے حضور ﷺ کو گدھے پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ آپ کا روئے انور خیبر کی طرف تھا)۔

اسی مضمون کی دوسری حدیث ذکر کرنے کی بعد امام نسائی لکھتے ہیں: '' لَا نَعْلَمُ أَحَدًا تَابَعَ عَمْرَ وبْنَ يَحْيَىٰ عَلَى قَوْلِهِ يُصَلِّي عَلَى حِمَارٍ وَحَدِيْثُ يَحْيَىٰ ابْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَنَسٍ الصَّوابُ مَوْقُوْفٌ ''۔ (یعنی اس حدیث کے رفع میں عمرو بن یحییٰ متفرد ہیں اور اصل میں یہ حدیث موقوف ہے)۔

5- اضطراب حدیث کی وضاحت

جب کسی حدیث کے متن میں اضطراب(۳۱) ہو تو امام نسائی اس کی وضاحت کر دیتے ہیں، مثلاً:

عن عَائِشَةَ قَالَتْ مَا لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ لَعْنَةٍ تُذْكَرُ كَانَ اِذَا كَانَ قَرِيْبَ عَهْدٍ بِجِبْرِيلَ عليه السلام يُدَارِسُهُ كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنْ الرِيحِ الْمُرْسَلَةِ ''(۳۲)۔

(ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے کوئی ایسی

لعنت نہیں فرمائی جو بیان کی جائے۔ اور جب حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ ورد کا وقت نزدیک آتا تو حضور اکرم ﷺ بادِ صَرصَر سے بھی زیادہ سخی ہوتے)۔

امام نسائی اس متن کے بعد لکھتے ہیں: ''هَذَا خَطَأٌ و الصَّوَابُ حَدِيْثُ يُونُسَ بْنِ يَزِيْدَ وَأَدْخَلَ هَذَا حَدِيْثاً فِي حَدِيْثٍ''۔ (یہ خطا ہے اور یونس بن یزید (م ۱۵۲ھ) (۳۳) کی روایت درست ہے۔ راوی نے اس حدیث میں ایک اور حدیث ملا دی ہے)۔ یعنی یہ روایت اور جو اس سے پہلے (یونس بن یزید) کی ہے دونوں الگ الگ حدیثیں ہیں جن کو راوی نے ملا دیا ہے۔

6- منکر حدیث کا تعیّن

امام نسائی کا ایک اسلوب یہ ہے کہ اگر سنن میں کوئی منکر حدیث ہو تو اس کا تعیّن کر دیتے ہیں، مثلاً:

عَنْ أبي هُرَيرَةَ عن النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: " ثَلَاثٌ ، فَلَقِيتُ كَثِيْرًا فَسَأَلْتُهُ فَلَمْ يَعْرِفْهُ فَرَجَعْتُ اِلَى قَتَادَةَ فَأَخبَرْتُهُ فَقَالُ : نَسِيَ قال : أبو عبدالرحمن: هَذَا حَدِيْثٌ مُنْكَرٌ " (۳۴)۔

(نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وہ تین طلاقیں ہوتی ہیں۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے تابعی کثیر بن اَبی کثیر بصری سے اس روایت کے متعلق پوچھا تو اسے اس حدیث کا کچھ حال معلوم نہ تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ بعد ازاں میں قتادہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہ حال بیان کیا۔ قتادہؒ نے فرمایا: وہ یہ بات بھول گے۔ امام نسائی فرماتے ہیں: یہ حدیث منکر ہے)۔

7- مشہور حدیث کے غریب ہونے کا بیان

بعض اوقات ایک حدیث فی نفسہ مشہور ہوتی ہے لیکن بعض الفاظ کے لحاظ سے اسے غریب قرار دیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں امام نسائی اس حدیث کی غرابت کا بیان کر دیتے ہیں، مثلاً:

قال رسول ﷺ: ''إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيُرِقْهُ ثُمَّ لِيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ''(۳۵)۔

(رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال کر چاٹے تو جو کچھ اس برتن میں ہے اسے بہا دیا جائے۔ پھر سات مرتبہ اس برتن کو دھویا جائے)۔

اس حدیث کی سند، جسے طوالت کے خوف سے یہاں ذکر نہیں کیا گیا ہے، میں ایک راوی ''عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ''(۳۶) ہیں جنہوں نے ''فَلْيُرِقْهُ'' کے الفاظ کی روایت کی ہے۔ دوسرے راوی اس کی متابعت نہیں کرتے اس لیے امام نسائی فرماتے ہیں: '' لَا أَعْلَمُ أَحَدًا تَابَعَ عَلِيَّ بْنَ مُسْهِرٍ عَلَى قَوْلِهِ فَلْيُرِقْهُ ''۔

8- سند میں راویوں کے اسماء کی تصحیح کرنا

بعض دفعہ شیخ کی بیان کی ہوئی سند حدیث میں کسی راوی کا نام صحیح نہیں ہوتا تو امام ترمذی متن حدیث بیان کرنے کے بعد راوی کے نام کی تصحیح کر دیتے ہیں، مثلاً: ایک سند سے انہوں نے یہ حدیث روایت کی ہے:

''عَنْ عَلِيٍّ رضی اللّٰہ عنہ أَنَّهُ أُتِيَ بِكُرْسِيٍّ فَقَعَدَ عَلَيْهِ...الخ''(۳۷)۔

(علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک کرسی لائی گئی آپ اس پر رونق افروز ہوئے...الخ)۔

اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام نسائی سند میں موجود ایک راوی '' مَالِكِ بْنِ عُرْفُطَةَ ''۔ کے متعلق فرماتے ہیں: '' هَذَا خَطَأٌ وَالصَّوَابُ خَالِدُ بْنُ عَلْقَمَةَ لَيْسَ مَالِكَ بْنَ عُرْفُطَةَ ''۔(یعنی سند حدیث میں جس راوی کا نام مالک بن عرفطہ ذکر کیا گیا ہے اس کا نام اصل میں خالد بن علقمہ ہے)۔

9- غریب راوی کی نشاندہی

اگر کسی حدیث کی سند میں کوئی غریب راوی ہو تو امام نسائی اس کی نشاندہی کر دیتے ہیں، مثلاً: ایک سند سے انہوں نے یہ حدیث روایت کی ہے: '' فِي التَّشَهُّدِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ . . . عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ''(۳۸)۔ اس

حدیث کی سند میں اَبُو ھَاشِم یحییٰ بن دینار (م۱۲۲ھ)۔ راوی کے متعلق لکھتے ہیں: قَالَ أبو عبد الرحمن : ''أَبُو هَاشِمٍ غَرِيبٌ''۔

10- غیر قوی راوی کا تعین

امام نسائی کے اسالیب میں سے ایک اسلوب یہ ہے کہ اگر کسی حدیث کی سند میں کوئی راوی قوی نہ ہو تو وہ اس کے غیر قوی ہونے کا تعین کر دیتے ہیں، مثلاً:

''قَالَ رسول اللّٰہ ﷺ : مَنْ كَانَتْ لَهُ صَلَاةٌ صَلَّاهَا مِنَ اللَّيْلِ فَنَامَ عَنْهَا كَانَ ذَلِكَ صَدَقَةً تَصَدَّقَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْهِ وَكَتَبَ لَهُ أَجْرَ صَلَاتِهِ''(۳۹)

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص رات کو کوئی نماز ادا کرتا ہو، پھر سو جانے کی وجہ سے نماز ادا نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ کا اس کے لیے صدقہ ہو جائے گا اور اس کے لیے نماز کا ثواب لکھا جائے گا)۔

اس حدیث کو امام نسائیؒ نے جس سند سے روایت کیا ہے اس میں ایک راوی '' أَبُو جَعْفَرٍ الرَّازِيُّ '' کے متعلق وہ فرماتے ہیں: '' أَبُو جَعْفَرٍ الرَّازِيُّ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ فِي الْحَدِيثِ ''(اس حدیث کی سند میں ابوجعفر رازی قوی نہیں ہے)۔

11- سند میں ضعیف راوی کی نشاندہی

حدیث کی سند میں اگر کوئی راوی ضعیف ہو تو امام نسائی اس کی نشاندہی کر دیتے ہیں، مثلاً:

'' عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : مَنْ صَلَّى فِي يَوْمٍ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً سِوَى الْفَرِيضَةِ بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتاً فِي الْجَنَّةِ''(۴۰)۔

یہ حدیث جس سند سے مروی ہے اس میں ایک راوی '' مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ ''(م۱۸۸ھ) ہے، جس کے متعلق امام نسائی فرماتے ہیں: '' هَذَا خَطَأٌ وَ مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ ضَعِيفٌ وَهُوَ ابْنُ الْأَصْبَهَانِي ''یعنی

اس سند میں (ابوعلی) محمد بن سلیمان بن عبداللہ اصفہانی کوفی (م۱۸۸ھ) نام کا ایک ضعیف راوی ہے۔

12- صفتِ راوی سے ابہام کا ازالہ

امام نسائی کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ اگر کسی راوی میں کوئی ابہام ہو تو وہ اس کی کسی صفت کے ذکر سے اس ابہام کا ازالہ کر دیتے ہیں، مثلاً:

قَال رَسول اللّٰه ﷺ: ''أَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَادِمِ اللَّذَّاتِ''(۴۱)

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: موت کو بکثرت یاد کرو کیونکہ یہ لذتوں کو مٹانے اور کاٹنے والی ہے)۔

اس حدیث کی سند میں'' مُحَمَّد بْنُ ابْرَاهِيم ''بن عثمان العبسی الکوفی (م۱۸۲ھ) نام کا ایک راوی ہے جس کے متعلق امام نسائی فرماتے ہیں:'' محمد بن ابراهيم والد ابی بكر بن أبِی شيبة''۔یعنی اس امر کی انہوں نے وضاحت کر دی کہ محمد بن ابراہیم ابوبکر بن ابی شیبہ کے والد ہیں۔

13- مشکل الفاظ کے معانی کا بیان

متن حدیث میں اگر کوئی مشکل لفظ ہو تو امام نسائی آسان لفظ سے اس کے معنی کو بیان کر دیتے ہیں، مثلاً:

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ أَعْرَابِياً بَالَ فِی الْمَسجِدِ فَقَام عَلَيْهِ بَعْضُ القَوْمِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: '' دَعُوهُ وَلَا تَزْرِمُوْهُ... الخ''(۴۲)۔(یعنی اسے چھوڑ دو اور اس کا پیشاب نہ روکو)۔ یہاں'' لَا تَزْرِمُوهُ ''ایک مشکل لفظ ہے جس کے معنی امام نسائی نے یوں بیان کیے ہیں:''قال ابو عبدالرحمن يَعْنی لَا تَقْطَعُوْا عَلَيْهِ ''۔

یہ ہیں وہ چند ایک اسالیب و مناہج جن کا التزام امام نسائی نے اپنی سنن میں کیا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: وفیات الأعیان وأنباء أبناء الزمان، القاضی شمس الدین أبو العباس أحمد بن محمد المعروف بابن خلّکانؒ (۶۸۱ھ):۱/۷۷، ۷۸، دارالصادر ، بیروت—لبنان ، س—ن ،طبقات الشافعیة الکبری،العلامة تاج الدین أبو نصر عبدالوهاب بن تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکیؒ (م ۷۷۱ھ):۳/۱۴-۱۶، دارالمعرفة، بیروت ،المنتظم فی تاریخ الامم والملوک،الامام أبو الفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد ابن الجوزی(م۵۹۷ھ):۶/۱۳۱، ۱۳۲، تحقیق : محمد عبدالقادر عطا ومصطفیٰ عبدالقادر عطا، دارالکتب العالیة بیروت— لبنان ، الطبعة الأولی :۱۴۱۲ھ-۱۹۹۲م،تهذیب التهذیب،ابو الفضل الحافظ محمد بن حجر العسقلانیؒ(۸۵۲ھ) : ۱/ ۳۶، ۳۷، دائرة المعارف النظامیة ، حیدر آباد، دکن ،۱۳۲۵ھ،شذرات الذهب فی أخبار من ذهب، أبو الفلاح عبدالحی ابن العماد الحنبلی(م۱۰۸۹ھ):۲/۲۳۹-۲۴۱، دار الأفاق الجدیدة ، بیروت، س— ن،الأنساب، الامام أبو سعد عبدالکریم بن محمد ابن منصور التمیمی السمعانی(م۵۶۲ھ):۵۵۹ ، تقدیم وتعلیق: عبدالله عمر البارودی ، دارالفکر ، بیروت ، الطبعة الأولی : ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸م،تذکرة الحفاظ، الامام شمس الدین محمدبن أحمدبن عثمان الذهبی(م۷۴۸ھ):۲/۱۹۴-۱۹۵(۷۱۹)، دار الکتب العلمیة بیروت—لبنان،الطبعة الأولی: ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۸م ، مِرآةُ الجَنانُ وعِبْرَة اليَقْظَانِ فِی معرفة ما یعتبرمن حوادث الزمان ، الامام أبو محمد عبدالله بن اسعد بن علی بن سلیمان الیافعی الیمنی المکی (۷۶۸ھ):۲/۲۴۰، مؤسسة الأعلمی للمطبوعات بیروت—لبنان، الطبعة الثانیة :۱۳۹۰ھ-۱۹۷۰م، بستان المحدثین(فارسی،اردو)،شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ(م۱۲۳۹ھ):۲۹۷، ۲۹۸،ترجمہ:مولانا عبدالسمیع دیوبندی،ایچ ایم سعید کمپنی کراچی،۱۹۹۳ء، الأعلام ، قاموس تراجم لاشهرالرجال والنساء من العرب والمستعربین والمستشرقین ، خیر الدین الزرکلی:۱/ ۱۶۴ ، مطبعة کوستانسوماس وشرکائه ، شارع وفق الخربوطلی،معجم المؤلفین ، عمر رضاکحالة :۱/۲۴۴، دار احیاء التراث العربی بیروت— لبنان ، س—ن،تاریخ التراث العربی ، فواد سزگین ، نقله الی العربیة : الدکتور محمود فهمی حجازی و الدکتور فهمی أبو الفضل :۱/۲۶۵، ۲۶۶، الهیئة المصریة العامة للکتاب ،۱۹۷۷م۔

۲۔ اقوال علماء کے لیے دیکھئے: وفیات الأعیان، محولہ بالا:۱/۸۱، تهذیب التهذیب، محولہ بالا:۱/۳۷، سیر الأعلام، محولہ بالا :۱۴/۱۲۵، توضیح الأفکار لمعانی تنقیح الأنظار ، محمد بن اسماعیل الأمیر الصنعانی، (م۱۱۸۲ھ): ۱/۲۲۰، تحقیق: محمد محی الدین عبدالحمید ،دارالفکر القاهرة، الطبعة الأولی: ۱۳۶۶ھ ، سنن النسائی،الامام أبو عبدالرحمن أحمد بن شعیب النسائی (م۳۰۳ھ)، بشرح الحافظ جلال الدین السیوطیؒ (م۹۱۱ھ)، وحاشیة الامام السندی (۱۱۳۸ھ) :۱/۵۸ وما بعدها، دارالمعرفة بیروت – لبنان ، الطبعة الأولی:۱۴۱۱ھ-۱۹۹۱م۔

۳۔ ان کتب میں سے ہر ایک کے متعلق یہ جاننے کے لیے وہ مطبوع ہے، مخطوط ہے یا مفقود ہے دیکھئے: سنن النسائی بشرح السیوطیؒ (المقدمة)، محولہ بالا :۶۵تا۶۷، تاریخ التراث العربی، محولہ بالا :۱/۲۶۶تا۲۶۹۔

۴۔ رملہ فلسطین بیت المقدس سے اٹھارہ میل پر واقع ہے۔ حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کا دارالسلطنت تھا (دیکھئے: معجم البلدان ، العلامة أبو عبدالله یا قوت الحموی الرومیؒ (۶۲۶ھ)، داراحیاء التراث العربی، بیروت س– ن)۔

۵۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: البدایة والنهایة، حافظ عماد الدین أبو الفداء اسماعیل بن عمر المعروف بابن کثیر (م۷۷۴ھ):۱۱/۱۲۳، مکتبة المعارف بیروت، الطبعة الثانیة ،۱۹۷۸م، تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی ، الامام جلال الدین عبدالرحمن السیوطیؒ (م۹۱۱) تحقیق: عبدالوهاب عبداللطیف:۴۹ ، القاهرة ،الطبعة الأولی: ۱۳۸۹ھ- ۱۹۸۹م ، بستان المحدثین (فارسی) محولہ بالا :۲۹۶، ۲۹۷، سنن النسائی بشرح السیوطی (المقدمة)، محولہ بالا:۷، ۹، ۱۰۔

۶۔ محمد بن عمر بن محمد بن عمر بن رشید کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ یہ ادب، تاریخ و تفسیر کے بڑے عالم تھے۔ ان کی کتاب ''السنن الأبین فی المحاکمة بین البخاری ومسلم'' تونس سے چھپ چکی ہے۔ (الدرر الکامنة فی أعیان المائة الثامنة، الحافظ ابو الفضل أحمد بن حجر العسقلانی (م۸۵۲ھ):۴/۱۱۱-۱۱۳، دائرة المعارف العثمانیة حیدر آباد دکن ،۱۳۹۲ھ، الرسالة المستطرفة لبیان مشهور کتب السنة المشرفة، العلامة محمد بن جعفر الکتانیؒ (م۱۳۴۵ھ):۱۳۴، دارالکتب العلمیة بیروت، الطبعة الأولی:۱۳۳۲، ذیل طبقات الحفاظ للسیوطی:۳۵۵۔

۷۔ فتح المغیث شرح الفیة الحدیث (شرح الفیة العراقی)، الحافظ أبو الفضل زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقیؒ (م۸۰۶ھ):۱/۱۰۱، دارالجیل بیروت ، س–ن ، النکت علی کتاب ابن الصلاح، الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ (م۸۵۲ھ):۱/۴۸۴، دارالروایة بیروت، ت ن۔

۸۔ ابوبکر محمد بن معاویہ اندلسی، جو ابن احمر کے نام سے معروف ہیں، امام، محدث اور ثقہ ہیں۔ یہ اولین محدث ہیں جنہوں نے نسائی کو اندلس میں متعارف کرایا۔ (النجوم الزاهرة في ملوک مصر والقاهرة ، ابن تغری بردی، قدم له و علق عليه محمد حسين شمس الدين:۴/۲۸، دارالكتب العلمية بيروت– لبنان، الطبعة الأولى:۱۴۱۳ھ، شذرات الذهب ،محولہ بالا:۳/۲۷،سير أعلام النبلاء ، الحافظ أبو عبدالله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبیؒ (م۷۴۸ھ):۶/۶۸،مؤسسة الرسالة ، الطبعة الثانية:۱۴۰۲ھ-۱۹۸۲م)۔

۹۔ فتح المغيث،محولہ بالا :۱/۱۰۱۔

۱۰۔ النكت على مقدمة ابن الصلاح ،محولہ بالا :۱/۱۰۱۔

۱۱۔ اقوال کے لیے دیکھئے: سنن النسائي بشرح السيوطي (المقدمة) ،محولہ بالا:۶۰،۶۱۔

۱۲۔ شروط الائمة السِّتَّة ، أبو الفضل محمد بن طاهر المقدسي، ويليه شروط الائمة الخمسة ، الحافظ أبو بكر محمد بن موسى الحازمي ، تعليق : الشيخ محمد زاهد الكوثري:۲۶، دارالكتب العلمية ، بيروت لبنان ، الطبعة الأولى :۱۴۰۵ھ-۱۹۸۴م۔

۱۳۔ امام زنجانی کی کنیت ابوالقاسم اور نام سعد بن علی بن محمد ہے۔ یہ زنجان کے رہنے والے جلیل القدر حافظ حدیث اور پختہ کار عالم تھے۔ ۴۷۱ ہجری میں ان کی وفات ہوئی (شذرات الذهب ،محولہ بالا:۳/۳۳۹، البداية والنهاية ،محولہ بالا:۱۲/۱۲۰، تذكرة الحفاظ ،محولہ بالا:۳/۲۴۳(۱۰۲۶)۔

۱۴۔ شروط الائمة ،محولہ بالا:۲۶۔

۱۵۔ امام ابن لِهِيْعَه الحَضْرَمي المصری کی کنیت ابوعبدالرحمان اور نام عبداللہ ہے۔ یہ بلاد مصر کے قاضی، عالم اور محدث ہیں۔ اصل میں یمن کے شہر حضر موت کے رہنے والے ہیں مگر مصر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ (تهذيب التهذيب،محولہ بالا:۵/۳۷۳(۶۴۸)، تذكرة الحفاظ،محولہ بالا:۱/۱۷۴(۲۲۴)، تقريب التهذيب، ابو الفضل الحافظ محمد بن حجر العسقلانی (م۸۵۲ھ):۱/۴۴۴(۵۷۴)، دارالرشید حلب،۱۴۰۶ھ)۔

۱۶۔ شروط الائمة ،محولہ بالا:۲۶۔

۱۷۔ مقدمة زهر الربى على المجتبى:۴۰۔

۱۸۔ النكت على مقدمة ابن الصلاح ،محولہ بالا:۱/۴۸۴،مقدمة زهرالربى على المجتبى:۴۰۔

۱۹۔ النكت ،محولہ بالا:۱/۴۸۴۔

۲۰۔ دیکھئے: شروط الائمة الستة ،محولہ بالا:۱۹،۲۰۔

۲۱۔ دیکھئے:مقدمة زهر الربى:۵، شروط الائمة الستة ،محولہ بالا:۱۹،۲۰۔

۲۲۔ امام اسماعیل ابن مسعود کی کنیت اُبو مسعود ہے۔ یہ بصرہ کے رہنے والے کبار تبع الاتباع میں سے ہیں۔ ۲۴۸ ہجری میں ان کا انتقال ہوا۔

۲۳۔ امام اشعث بن عبدالملک کی کنیت ابو ہانی ہے۔ آپ بصرہ کے رہنے والے مشہور حافظ حدیث ہیں۔ ۱۴۲ ہجری میں آپ نے وفات پائی (سیر الأعلام، محولہ بالا: ۶/ ۲۷۸، تهذيب الكمال في اسماء الرجال ، الحافظ جمال الدين أبو الحجاج يوسف بن عبدالرحمن المزیؒ (م۷۴۲ھ): ۱/ ۱۱۶، مؤسسة الرسالة الطبعة الأولى :۱۴۱۳ھ، تهذيب التهذيب، محولہ بالا: ۱/ ۱۳۵) ہے۔

۲۴۔ امام اسحاق بن راہویہ نیشاپوری (اسحاق بن ابراہیم بن مخلد) کی کنیت ابو یعقوب ہے۔ یہ مرو کے رہنے والے تھے پھر نیشاپور میں رہائش پزیر ہوگے۔ آپ نیشاپور کے عالم اور اہل مشرق کے شیخ ہیں۔ ۱۶۱ یا ۱۶۶ ہجری میں پیدا ہوئے (التاريخ الكبير، أمام محمد بن اسماعيل البخاریؒ (م۲۵۶ھ): ۱/ ۳۷۹، دارالكتب العلمية ، بيروت، س—ن، تاريخ بغداد: ۶/ ۳۴۵، تذكرة الحفاظ، محولہ بالا: ۳/ ۱۷ (۴۴۰)، تهذيب التهذيب، محولہ بالا: ۱/ ۲۱۶)۔

۲۵۔ قتادہ بن دِعامہ سَدُوسی بَصری کی کنیت ابوالخطاب ہے۔ یہ بہت بڑے عالم، مشہور حافظ حدیث اور قرآن حکیم کے نامی گرامی مفسر ہیں (كتاب التاريخ الكبير، محولہ بالا: ۷/ ۱۸۵، الجرح والتعديل، محولہ بالا: ۷/ ۷۵۶، تهذيب التهذيب، محولہ بالا: ۸/ ۳۵۱ (۶۳۵)، الطبقات الكبرىٰ (طبقات ابن سعد)، الامام أبو عبدالله محمد بن سعدؒ (م۲۳۰ھ): ۷/ ۱، ۳، دار صادر بيروت، س—ن، تذكرة الحفاظ، محولہ بالا: ۱/ ۹۲ (۱۰۷)، سير أعلام النبلاء، محولہ بالا: ۵/ ۲۶۹)۔

۲۶۔ حَتّ (یحییٰ بن موسیٰ بن عبدربہ بن سالم) کی کنیت ابوزکریا اور لقب خت ہے۔ یہ کوفہ کے رہنے والے نامور حافظ حدیث ہیں۔ علماء نے ان کی توثیق کی ہے۔ ۲۴۰ ہجری میں انہوں نے وفات پائی۔ (كتاب التاريخ الكبير ، الامام أبو عبدالله اسماعيل بن ابراهيم الجعفی البخاریؒ (م۲۵۶ھ): ۲/ ۲۶۵، المكتبة الاسلامية تركيا، س—ن، تذكرة الحفاظ، محولہ بالا: ۲/ ۴۸ (۴۹۰)، سير أعلام النبلاء، محولہ بالا: ۱۲/ ۱۹۲، تهذيب التهذيب، محولہ بالا: ۲/ ۲۸۹)۔

۲۷۔ عباد بن عباد الخواص ابوعتبہ اہل شام میں سے ہیں۔ انہیں امام اوزاعی وغیرہ کو دیکھنے کا شرف حاصل ہے۔ اہل شام ان سے رقاق اور زہد سے متعلقہ احادیث روایت کرتے ہیں۔ (دیکھئے: الثقات، الامام محمد بن حبان بن أحمد أبو حاتم التميمي البستی (م۳۵۴ھ): ۸/ ۴۳۵، تحقيق: السيد شرف الدين أحمد، دارالفكر، الطبعة الأولى: ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵م)۔

۲۸۔ كتاب النكاح ، باب التوقيت فی الخيار، حدیث نمبر ۳۳۸۶۔

۲۹۔ امام قتیبہ بن سعید بلخی بغلانی (محدث خراسان) کی کنیت ابو رجاء ہے۔ بنو ثقیف سے نسبت کی وجہ سے ثقفی کہلاتے ہیں۔ یہ بلخ کے رہنے والے نامور شیخ اور بلند پایہ حافظ حدیث ہیں۔ ۱۴۹ھ میں پیدا اور ۲۴۰ھ میں فوت ہوئے (تهذيب التهذيب، محولہ بالا: ۸/۳۵۸(۶۳۹)، تاريخ بغداد، الحافظ أحمد بن على المعروف بالخطيب البغدادى (م۴۶۳ھ): ۱۲/۴۶۴، دار الكتاب العربى بيروت لبنان، س-ن، سير الأعلام، محولہ بالا: ۱۱/۱۳، تذكرة الحفاظ، محولہ بالا: ۲/۲۶(۴۵۳)، الجرح والتعديل، الامام أبو محمد عبدالرحمن بن أبى حاتم محمد بن ادريس بن المنذر التميمى الحنظلى الرازى (م۳۲۷ھ): ۷/۷۸۴، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد دكن، الطبعة الأولى: ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲م

۳۰۔ سنن النسائی، كتاب المساجد، بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى الْجِمَارِ، حدیث نمبر ۷۳۲، ۷۳۳۔

۳۱۔ جب راوی ایک حدیث کے متن کو دوسری حدیث کے متن میں ملا دے تو ایسا کرنے کو اضطراب کہتے ہیں۔

۳۲۔ سنن النسائی، كتاب الصيام، باب الْفَضْلِ وَالْجُودِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ (رمضان میں زیادہ سخاوت کرنے کا بیان)، حدیث نمبر ۲۰۶۹۔

۳۳۔ امام یونس بن یزید ایلی کی کنیت ابو یزید ہے۔ آپ شہر ایلہ کے رہنے والے بلند پایہ اور قابل اعتماد حافظ حدیث ہیں۔ امیر المومنین حضرت معاویہ سے نسبت ولاء رکھتے ہیں۔ ان کی احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ کتب حدیث میں محفوظ ہے۔ (كتاب الجرح والتعديل، محولہ بالا: ۹/۱۰۴۲، تذكرة الحفاظ، محولہ بالا: ۱/۱۲۲(۱۵۶)، سير الأعلام، محولہ بالا: ۶/۲۹۷، البداية والنهاية، محولہ بالا: ۱۰/۱۰۹، تهذيب التهذيب، محولہ بالا: ۱۱/۴۵۰(۷۶۹))۔

۳۴۔ سنن النسائی، كتاب الطلاق، أَمْرُكِ بِيَدِكِ (حدیث نمبر ۳۳۵۷)۔

۳۵۔ سنن النسائی، كتاب الطهارة، الْأَمْرُ بِإِرَاقَةِ مَا فِي الْإِنَاءِ إِذَا وَلَغَ فِيهِ الْكَلْبُ (کتے کے چاٹے ہوئے برتن میں باقی ماندہ چیز کو بہا دیا جائے)۔

۳۶۔ امام علی بن مسہر کوفی کی کنیت ابو الحسن ہے۔ نامور حافظ حدیث اور شہر موصل کے قاضی ہیں۔ آپ نے ۱۹۷ ہجری میں داعی اجل کو لبیک کہا (تذكرة الحفاظ، محولہ بالا: ۱/۲۱۲(۲۷۰)، سير الأعلام، محولہ بالا: ۸/۴۲۶، ۴۸۴، تهذيب التهذيب، محولہ بالا: ۷/۳۸۳(۶۲۳))۔

۳۷۔ سنن النسائی، كتاب الطهارة، عَدَدُ غُسْلِ الْوَجْهِ، حدیث نمبر ۹۲۔

۳۸۔ سنن النسائی، كِتَابُ التطبيق، كَيفَ التَّشَهُّدُ الْأَوَّلُ، حدیث نمبر ۱۱۵۷۔

۳۹۔ سنن النسائی، كتاب قيام الليل و تطوع النهار، باب مَنْ كَانَ لَهُ صَلَاةٌ بِاللَّيْلِ فَغَلَبَهُ عَلَيْهَا النَّوْمُ (ایک شیخ رات کو تہجد پڑھتا ہو اور ایک رات کو نیند کی وجہ سے نہ پڑھ سکے)، حدیث نمبر ۱۷۶۴۔

۴۰۔ سنن النسائی ، کتا ب قیام اللیل وتطوع النهار، الاخْتِلَافُ عَلَى إِسْمَاعِيلَ بْنِ ابی خَالِدٍ ،حدیث نمبر ۱۷۸۸۔

۴۱۔ سنن النسائی، کتاب الجنائز، كَثْرَةُ الْمَوْتِ،حدیث نمبر۱۸۰۱۔

۴۲۔ سنن النسائی، کتاب الطهارة، تَرْكُ التَّوقِيْتِ فِی الْمَاءِ (پانی میں کسی حد کا مقرر نہ ہونا)۔

عہد نبوی ﷺ میں مسلم معاشرہ کی تشکیل

* ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن

معاشرہ انسانی روابط کی اس تنظیم کا نام ہے جس کو ہم خیال افراد نے بنایا ہو۔ ان کے مقاصد اور مفادات میں یکسانیت ہو۔ معاشرہ کی مندرجہ ذیل الفاظ میں تعریف کی گئی ہے:

''یہ انسانی روابط کا ایک کلی مرکب ہے، اس حیثیت سے کہ یہ روابط عمل سے پیدا ہوتے ہیں، جو ذرائع و مقاصد کے رشتہ سے قائم ہے''۔(۱)

یہ بات فلاسفہ نے بھی کہی، ارسطو کے اس قول کو بے حد شہرت حاصل ہوئی کہ ''انسان ایک معاشرت پسند حیوان ہے'' اور زمانہ بھی آج تک اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ انسان دوسرے کا محتاج ہے۔ انسان دوسرے انسانوں سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ احتیاجات فکر انسانی کے باہمی رشتوں کو مضبوط تر بناتی ہیں اور ایک سوسائٹی وجود میں آتی ہے۔ ابن خلدون اسی طرف اشارہ کرتے ہیں:

''افرادِ انسانی کا اکٹھے مل جل کر رہنا ایک ناگزیر امر ہے اور یہ وہ حقیقت ہے جسے اہل علم اس طرح بیان کرتے ہیں کہ انسان پیدائشی طور پر مدنیت پسند واقع ہوا ہے''۔(۲)

نسل انسانی کے ابتدائی دور سے لے کر آج تک معاشرہ ارتقائی منازل میں داخل تو رہا لیکن کوئی دور بھی ایسا نہیں گزرا جب معاشرتی تنظیم سے بالکلیہ گریز کیا گیا ہو، اس لیے کہ یہ انسانی فطرت و جبلت کے منافی ہے۔ یہ جو آج دنیا میں مختلف نظام ہائے فکر، ریاست و بادشاہت، جمہوریت اور مختلف تنظیمی شکلیں نظر آ رہی ہیں، ان کے پیچھے انسان کا یہی معاشرت پسندی کا جذبہ کارفرما ہے۔

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر/مدیر ''فکر و نظر''، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

ان صفحات میں ہمارے پیش نظر جو بحث ہے وہ یہ ہے کہ مسلم معاشرہ کی تشکیل کن بنیادوں پر ہوئی اور اس کے امتیازی پہلو کیا ہیں، لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب دیگر معاشروں کی صحیح تصویر بھی ہمارے سامنے موجود ہو، لیکن یہاں ہمارے یہ صفحات اتنی لمبی تفصیل کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ ہم یہ کوشش کریں گے کہ وہ خطہ جہاں اسلام کا سورج طلوع ہوا وہاں کے معاشرتی خد و خال کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرتی تبدیلیوں کو جامعیت کے ساتھ پیش کر سکیں۔

مسلم معاشرہ کی تشکیل، اصلاحی اقدامات

(قرآن وسنت میں اس کی بنیادیں)

اسلام (بعثت محمد ﷺ) سے پہلے بے شمار معاشرے وجود میں آئے۔ اگرچہ ان تمام معاشروں کے نقوش آج ہمارے سامنے پوری طرح واضح نہیں لیکن قرآن کی اس شہادت کے بعد ان کے وجود سے متعلق کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ ۢ بَعْدِ نُوْحٍ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا﴾ (۳)

''اور نوح کے بعد ہم نے کتنی بستیاں ہلاک کر دیں اور آپ کا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں سے خبیر و بصیر ہونے کے لیے کافی ہے''۔

بعثت نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے انبیاء کی ایک کثیر تعداد لوگوں کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوتی رہی اور ہر دور میں ایک جماعت نے حق کی آواز پر لبیک کہی اور دوسری جماعت نے بغاوت کی راہ اختیار کی۔ یقیناً انبیاء کی اطاعت کرنے والوں نے انبیاء کی تعلیمات کی روشنی میں اپنی معاشرتی شیرازہ بندی کی ہوگی اور الٰہی اصولوں کے مطابق اعلیٰ معاشرتی قدروں کو تحفظ دیا ہوگا۔ ہمارے پیش نظر عرب اور بالخصوص سرزمین مکہ ہے جہاں آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت بالعموم اعلیٰ معاشرتی قدروں کو تحفظ حاصل نہیں تھا۔ تاہم یہاں دین ابراہیمی کی کہیں نہ کہیں جھلک نظر آ جاتی ہے۔ بہت سے لوگ ایسے موجود تھے جو دین حق کی تلاش میں تھے اور آخری پیغمبر کی

بعثت کے منتظر تھے، ورقہ بن نوفل کی مثال موجود ہے، سرزمین مکہ کے معاشرتی حالات پر جب ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو ایک معاشرتی ڈھانچہ تو یقیناً نظر آتا ہے لیکن غیر مہذب، حدود سے متجاوز اور بعض مقامات پر اوصاف حمیدہ سے نبرد آزما دکھائی دیتا ہے۔ ذیل کی سطور میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ اسلام نے کیا ترمیمات کیں۔ کہاں رسوم جاہلیہ کا کلیۃً خاتمہ کر دیا اور کون سی وہ چیزیں ہیں جنہیں من وعن قبول کر لیا گیا۔

کسی بھی معاشرتی تنظیم میں خاندان کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ عربوں میں بھی ''خاندان'' گویا اس معاشرتی بنیاد کا تصور پوری طرح موجود تھا بلکہ خاندانی تفاخر ان کی معاشرت کا حصہ تھا۔ خاندان کی بنیاد اکثر اوقات شادی بیاہ ہی ہوتی ہے اور اس کے لیے نکاح کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ عربوں کے ہاں نسب کے لیے صرف نکاح ہی شرط نہیں تھا بلکہ سفاح سے بھی نسب ثابت ہو جاتا تھا۔

جاہلی دور میں نکاح وطلاق کے معاشرتی بندھن بھی مروج تھے۔ ان کے ہاں نکاح کی بہت سی قسمیں پائی جاتی تھیں، مثلاً آج کا مروجہ نکاح دور جاہلیہ میں بھی موجود تھا، اسے برقرار رکھا گیا، لیکن دیگر فاسد اقسام کو اسلامی شریعت میں شامل نہ کیا۔ ان اقسام میں

۱۔ نکاح شغار

۲۔ نکاح مقت

۳۔ دو بہنوں سے بیک وقت نکاح وغیرہ ہیں۔(۴)

اسی طرح شادی کے بعد علیحدگی کے سلسلے میں بعض طریقوں کو اسلامی شریعت نے قبول کیا اور بعض کو رد کر دیا۔ ''طلاق'' کا طریقہ مروج تھا لیکن اس کی تعداد مقرر نہیں تھی اور اس طرح خواتین کے ساتھ زیادتی کا یہ عمل یوں جاری رہتا کہ طلاق دی، پھر رجوع کر لیا، پھر طلاق پھر رجوع، حتیٰ کہ عدت گزارنے کے بعد بھی مرد کو یہ اختیار حاصل تھا کہ اسے اپنے پاس روک لے۔ اسلامی شریعت نے طلاق کے اصول کو تو باقی رکھا، لیکن شوہر کو تین طلاق دینے کا حق دیا اور اس کی تکمیل کے ساتھ زوجین کی تفریق بھی مکمل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾.(۵)

خلع کا اصول عربوں کے ہاں مروج تھا، اسلام نے بھی اسے قائم رکھا۔(۶) ایلاء کا اصول بھی مروج تھا

لیکن اسے وہ طلاق ہی تصور کرتے تھے، جو ایلاء کی مدت گزر جانے کے بعد واقع ہوتی تھی۔ جوان کے یہاں ایک سال مقرر تھی، کبھی اسے وہ دو سال بھی کر دیتے تھے۔ اسلام نے ایلاء کو بھی باقی رکھا، لیکن اس کے لیے چار ماہ کی مدت باقی رکھی۔ اگر یہ مدت گزر جائے اور اس کے دوران خاوند اپنی بیوی سے صحبت نہ کرے تو بعض فقہاء کے نزدیک طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے اور بعض کے نزدیک رجعی۔ (۷)

بالکل اسی طرح عرب معاشرہ عدت کے تصور سے بھی آگاہ اور اس اصول پر عمل پیرا تھا۔ عدت گزارنے میں حکمت یہ ہے کہ اختلاط نسب کو روکنے کے لیے اس بات کا پورا یقین کر لیا جائے کہ عورت کے رحم میں بچہ تو نہیں ہے، عربوں کے ہاں بھی یہ رواج تھا کہ طلاق یا موت کے سبب شوہر عورت سے علیحدہ ہو جاتا تو اس کے لیے عدت گزارنا ضروری ہوتا تھا، موت کی صورت میں ان کے ہاں عدت کی مدت کامل ایک سال مقرر تھی۔ (۸) اسلامی شریعت نے عدت کے نظام کو قائم رکھا اور عورتوں کے مختلف حالات کے لحاظ سے باقاعدہ صورت میں ان کی مقدار کا تعین کیا، طلاق کے بعد حیض والی عورتوں کے لیے تین حیض یا طہر مقرر کیے، جس عورت کے خاوند کا انتقال ہو گیا ہو اس کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کی، حاملہ عورت کے لیے وضع حمل تک کی مدت مقرر کی۔ جس عورت کے ساتھ خاوند نے صحبت نہ کی ہو اس پر کوئی عدت نہیں۔

عرب معاشرہ میں وصیت اور میراث کا سلسلہ بھی جاری تھا، وہ وارث اور دوسروں کو وصیت کی اجازت دیتے تھے لیکن ان کے ہاں اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں تھی۔ اسلام نے وصیت کے اصول کو قائم رکھا اور وصیت کرنے والے کے ترکہ میں تہائی حصہ وصیت کرنے کی حد مقرر کی اور تہائی سے زیادہ وصیت کرے تو یہ وارثوں کی اجازت پر موقوف تھا۔ وصیت کی اجازت صرف ان لوگوں کے حق میں دی جن کو میراث میں سے حصہ نہیں ملتا۔ وارث کے حق میں وصیت کو دوسرے ورثاء کی اجازت پر موقوف رکھا۔ (۹)

عرب معاشرہ میں معاملات کی بہت سی اقسام بھی رواج پذیر تھیں، جن میں سے کچھ کو اسلام نے قائم رکھا اور بعض کی ممانعت کر دی۔ مثلاً عقد شرکت، عقد مضاربت، عقد سلم کو اسلام نے قائم رکھا، اور ربا اور رہن کو خلاف اسلام قرار دیا۔ (۱۰)

عرب معاشرہ میں خرید و فروخت کے جو طریقے رواج پذیر تھے، اسلام نے ان میں سے ان قسموں کو باقی

رکھا جو درست تھیں اور فریقین کی رضامندی سے طے پاتی تھیں۔ جو اقسام باہمی رضامندی کے قاعدے کے خلاف تھیں، اسلام نے انہیں باطل قرار دیا۔ مثلاً بیع منابذہ، ملامسہ، بیع حصاۃ بیع، بخش وغیرہ کو خلاف اسلام اور ناجائز قرار دیا۔

معاشرے کے لیے قانون ضروری ہے بالکل اسی طرح جیسے انسان کے لیے معاشرہ ضروری ہے۔ اس لیے کوئی معاشرہ قانون وضابطوں سے خالی نہیں تھا۔ یعنی ایسے قواعد اور ضوابط جو افراد کے آپس کے تعلقات کو منظم کریں، کبھی یہ ضابطے رسم ورواج اور عرف سے عبارت ہوتے ہیں جن کے مطابق لوگوں کے تمام کام سرانجام پاتے ہیں اور لڑائی جھگڑے کی صورت میں انہی کے مطابق فیصلے کیے جاتے ہیں۔ جاہلی دور میں عربوں کا یہی قانون تھا۔ لیکن اس رسم ورواج کے قانون میں بعض چیزیں ایسی تھیں جنہیں اسلام نے باقی وقائم رکھا اور بعض میں ترمیم واضافہ کیا۔ مثلاً قتل کی صورت میں مجرم سے قصاص عربوں کے یہاں معروف تھا لیکن وہ صرف قاتل سے قصاص لینے پر ہی اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ قبیلہ کے تمام افراد تک تجاوز کرتے گویا ان کی نظر میں پورا قبیلہ اس جرم کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ اسلام نے اس ذمہ داری کی حد بندی کی اور اس کو صرف قاتل تک محدود کر دیا۔ چنانچہ اسلام نے حکم دیا کہ قصاص صرف قاتل سے ہی لیا جائے گا۔

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾(۱۱) کا واضح اصول دے دیا گیا۔ دیت، یعنی خون بہا کا نظام بھی عربوں میں رائج تھا۔ اسلام نے اس نظام کو قائم رکھا۔ البتہ قتل خطاء کی صورت میں دیت کی ذمہ داری عاقلہ پر ڈالی، یعنی قاتل کے قبیلہ کے مرد عصبات اس دیت کے ادا کرنے کے ذمہ دار ہوں گے۔ اس کو وہ تین سال کی مدت میں ادا کر سکتے ہیں۔ اگر مقتول کے وارث راضی ہوں تو اسلام نے قتل عمد کی صورت میں بھی دیت مقرر کی ہے لیکن اس صورت میں تنہا قاتل ہی کو یہ دیت ادا کرنا ہوگی۔

حدیث طیبہ میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قسامت کے اصول کو اسی صورت میں باقی رکھا جس طرح وہ جاہلی دور میں تھا۔ قسامت سے مراد قسمیں ہیں۔ اگر کسی آبادی یا محلّہ میں مقتول کی لاش پائی جائے اور اس کے قاتل کا علم نہ ہو تو لاش کا اس آبادی میں پایا جانا اس شک وشبہ کا متقاضی ہے کہ قاتل اسی آبادی یا محلّہ کا کوئی شخص ہوگا، اس لیے مقتول کے ورثاء کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس محلّہ کے پچاس آدمیوں سے اس بات کی پچاس قسمیں

لیں کہ نہ ہم نے اس کو قتل کیا اور نہ ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے، اگر وہ قسم کھالیں تو ان کے ذمہ دیت واجب نہ ہوگی اور اگر وہ قسم کھانے سے انکار کریں تو ان کو اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک وہ قسم نہ کھائیں یا اقرار نہ کریں۔(۱۲)

اسلام سے پہلے عربوں کے ہاں یہ رواج تھا کہ مدعی اپنے دعوے کو درست ثابت کرنے کے لیے کوئی ثبوت پیش کرتا تھا۔ اگر ثبوت پیش کرنا اس کے لیے ممکن نہ ہوتا تھا تو وہ مدعی علیہ سے قسم لیتا۔ اسلام نے بھی اس اصول کو قائم رکھا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مدعی کے ذمہ بار ثبوت ہے اور جو شخص انکار کرے یعنی مدعی علیہ اس کے ذمہ قسم ہے'' (۱۳)

علاوہ ازیں غلامی کا تصور، بندہ و آقا کی تمیز، نسلی و نسبی تفاخر یہ تصورات عرب معاشرہ میں بنیادی اہمیت رکھتے تھے۔ اسلام نے انسان کی اپنی پیدا کردہ تفریقات کو ختم کر کے انہیں وحدت نسل انسانی کا درس دیا اور یہ پیغام الٰہی سنایا۔

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ (۱۴)

''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، پھر تمہیں قبائل اور گروہوں میں تقسیم کیا تا کہ تم تعارف حاصل کر سکو، یقیناً اللہ کے نزدیک عزت و احترام کا مالک وہی ہے جو تم میں زیادہ متقی ہے''۔

چنانچہ آپ ﷺ نے عرب رسم و رواج کو جہاں ختم کرنا ضروری تھا وہاں انہیں ختم کر کے جہاں ان میں ترمیم و اضافہ کی ضرورت تھی وہاں ترمیم و اضافہ کر کے اور جو محاسن تھے ان کو باقی رکھتے ہوئے اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی۔ ان اصولوں و قانونی ترمیمات کے بعد اسلام نے جو معاشرتی ڈھانچہ تشکیل دیا اس کے اصول و مبادی یہ ہیں:

عہدِ نبوی کے مسلم معاشرہ کے امتیازی اصول

۱۔ مساوات ۲۔ آزادی

۳۔ اخوت ۴۔ عدل

۵۔ رواداری

اب ہم ان تصورات کا علی الترتیب مختصراً طور پر جائزہ لیتے ہیں:

ا۔ مساوات

اسلام کا بنیادی اصول توحید ہے۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اسلام کی نظر میں بحیثیت انسان سارے انسان برابر ہیں۔ وحدت انسانیت کا تصور وحدت خداوندی کے تصور سے خود بخود لازم آتا ہے۔ خدا کی ہدایت قدرتی طور پر ہمیں انسانیت کی وحدت کی طرف لے جاتی ہے، خالص توحید کا تصور اس وقت تک بے معنی ہے جب تک یہ سارے انسانوں کی مساوات کو مستلزم نہ ہو۔ عملاً توحید کے جوہر میں مساوات، اخوت اور آزادی داخل ہیں۔ قانون کے لحاظ سے سارے مسلمان برابر ہیں۔ خواہ وہ کسی رنگ، علاقہ یا نسل سے تعلق رکھتے ہوں۔ قانون کے نفاذ میں کسی امتیاز کو ملحوظ نہیں رکھا جا سکتا۔ اپنی شخصی و انفرادی ترقی کے لیے ہر شخص کو برابر مواقع ملنے چاہئیں۔ قابلیت معیار ہے، رنگ و نسل کے امتیازات معیار نہیں۔ اسلام میں یہودیوں کی طرح کوئی منتخب گروہ نہیں ہے۔ اس لیے اسلام میں رہبانیت یا پاپائیت کے لیے بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ خدا کی نظر میں محبوب ترین انسان وہ ہے جو تقویٰ میں بڑھا ہوا ہے۔ قرآن مجید واضح لفظوں میں کہتا ہے:

﴿اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ﴾(۱۵)

''خدا کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے''۔

﴿وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوۡا. وَمَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعۡمَلُوۡنَ﴾(۱۶)

''ہر ایک کے لیے درجے ہیں جو انہوں نے عمل کیا، اور تمہارا رب اس سے غافل نہیں ہے، جو تم عمل کرتے ہو''۔

﴿وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوۡا. وَلِیُوَفِّیَہُمۡ اَعۡمَالَہُمۡ وَہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ﴾(۱۷)

''ہر ایک کے لیے درجے ہیں جو انہوں نے عمل کیا، تاکہ خدا ان کو ان کے اعمال کا پورا

بدلہ دے اوران پر کوئی ظلم نہ ہوگا''۔

دنیا میں نیک بن کر زندگی گزارنا سب سے بڑی عبادت ہے۔ یہ اسلام کی اسی مساوات کا تصور تھا جس سے ان غلاموں نے جن کے ساتھ بے جان مشینوں کا سا سلوک کیا جاتا تھا، ایسی ترقی کی کہ ریاست کے حاکم تک بن گئے اور عورتیں جن کی حیثیت قابل خرید وفروخت اشیاء کی سی تھی اور جن کو مال منقولہ سمجھا جاتا تھا، ان کو ایک محترم مقام حاصل ہوگیا۔

۲۔ آزادی

ایک مسلمان کو اس بارے میں پوری آزادی حاصل ہے کہ وہ سوائے خدا کے کسی کی اطاعت نہ کرے۔ قانون الٰہی اور نظام الٰہی کے سامنے جھک جانا ایک فرد کو ہر ایک کی غلامی سے آزادی دلاتا ہے۔ آزادی کا مقصد بے عنان ہونا نہیں ہے۔ اسلام میں ہر فرد کو اپنے حقوق سے فائدہ اٹھانے کی اس حد تک آزادی ہے کہ وہ شریعت کے مقرر کردہ حدود میں رہے اور دوسرے کے حقوق پر دست درازی نہ کرے۔ خدا کا حکم اس کے ضمیر کے لیے معاشرہ سے بلند تر نگران کی حیثیت رکھتا ہے۔ اپنے تمام اعمال کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ قرآن مجید صاف صاف یہ اعلان کرتا ہے کہ ایک شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔(۱۸)

۳۔ اخوت

اخوت اسلام کا جوہر ہے۔ قرآن مجید کا کہنا ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾(۱۹) ''مسلمان بھائی بھائی ہیں''۔

مسلمان ایک ہی برادری کے ارکان ہیں۔ بنیادی انسانی حقوق کے اعتبار سے ان میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا، وہ عقیدہ کی بنیاد پر رشتہ اخوت میں پرو دیئے گئے ہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

''ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی مانند ہے کہ ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے''۔(۲۰)

اسلامی اخوت کو جو قوت حاصل ہے وہ خونی رشتہ کو بھی نہیں، ایک مسلمان کا کسی غیر مسلم سے خونی رشتہ ہونے کے باوجود اس کی شہریت دوسرے غیر مسلم رشتہ دار سے الگ سمجھی گئی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے اپنے باپ اور بیٹوں کے خلاف جنگ کی اور آنحضرت ﷺ نے اپنے وطن مکہ پر حملہ کیا۔ اپنے عزیز رشتہ داروں کے خلاف جہاد کیا۔

اسلامی اخوت اس وقت پھلی پھولی جب آنحضرت ﷺ نے مہاجرین وانصار کا آپس میں بھائی چارہ کرایا اور وہ بھائیوں کی طرح آپس میں مل کر زندگی گزارنے لگے۔ اس بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر عالم گیر ہے، اور اسلام ایک عالم گیر اسلامی اخوت قائم کرنا چاہتا ہے۔

عدل

یہ اجتماعی عدل ہی تھا جس کے لیے آنحضرت ﷺ انتہائی فکرمند تھے اس لیے ابتدائی اور مکی سورتوں میں عدل کا کثرت سے ذکر ہے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل آیتیں ملاحظہ ہوں:

۱. ﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ﴾(۲۱)

''کہو کہ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے''۔

۲. ﴿وَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾(۲۲)

''اور ناپ تول کو انصاف سے پورا کرو''۔

۳۔ ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾(۲۳)

''بے شک ہم نے اپنے رسول نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا تاکہ لوگ انصاف کو قائم کریں''۔

۴. ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾(۲۴)

''بے شک اللہ تعالیٰ انصاف اور نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے''۔

۵. ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا﴾(۲۵)

''جب تم کچھ کہو تو انصاف کرو''۔

عدل برابری اور غیر جانب داری کے ساتھ انصاف کرنا ہے۔ کسی شخص کی عزت واحترام کا اس میں لحاظ نہ رکھا جائے۔ ایجابی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ طاقت ور کے مقابلہ میں کمزور کی حفاظت کی جائے اور منفی طور پر انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جرائم کو روکے۔ مظلومین کے حقوق دلائے اور مفسدین کو سزا دے۔ اسلام خدا کی حکومت زمین پر قائم کرنا چاہتا ہے اور انسان پر انسان کے ظلم کو روکتا ہے اور انسانوں کے ساتھ انسانیت دشمنی کو ختم کرتا ہے۔ فلاح عام کے لیے انصاف انتہائی ضروری ہے۔

۵۔ رواداری

اسلامی حکومت میں اسلام ہر مذہب وفرقہ سے تعلق رکھنے والوں کے ضمیر اور عبادت کی آزادی کا ضامن ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾(۲۶) ''یعنی دین میں جبر نہیں ہے'' وہی رواداری کا اصول بیان کر رہی ہے جو اسلام اپنے ماننے والوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس اصول کے ماتحت تمام مذاہب اسلام کے ساتھ مکمل آزادی سے رہ سکتے ہیں۔ اسلامی نظامِ فکر دوسرے مذاہب کو نہ صرف مکمل آزادی دیتا ہے بلکہ اجتماعی و سیاسی حدود میں ان کی حفاظت کرتا ہے۔ اسلام انسانیت کو رواداری کی بنیاد پر متحد کرنے کے لیے قوی ترین عامل ہے۔ اسلام خلاف عقل عداوتوں کو ختم کرنا چاہتا ہے اور عالمگیر خیر سگالی اور باہمی محبت کو فروغ دینا چاہتا ہے۔ اسلام امن کی ایک سرمدی دعوت ہے۔ اسلام غیر مسلم اقوام کے ساتھ رواداری کے درجہ سے آگے بڑھ کر ''ذمہ داری'' کا فریضہ عائد کرتا ہے۔

معاشرتی مقاصد کی تکمیل کے لیے ادارے

اسلامی معاشرہ کے مندرجہ ذیل ادارے اس کے مقاصد کو پورا کرتے ہیں:

۱۔ عبادات ۲۔ خاندان

۳۔ ریاست ۴۔ اقتصادی نظام

عبادات

عبادات یا مذہبی فرائض، اسلامی معاشرہ کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ اسلام میں مندرجہ ذیل اعمال عبادات کہلاتے ہیں:

۱۔ نماز ۲۔ رمضان کے مہینہ کے روزے
۳۔ زکوٰۃ ۴۔ حج بیت اللہ
۵۔ اور دیگر نفلی عبادات

اُمت اسلامیہ کے ڈھانچے میں عبادات کی حیثیت ایک بنیادی پتھر کی سی ہے۔ اسی لیے ان کو بجا طور پر اسلام کے پانچ ستون کہا جاتا ہے۔ تزکیہ نفس اور روحانی فوائد کے علاوہ عبادات مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے لیے ایک قومی عامل ہیں اور معاشرہ میں ان سے وحدت، استحکام اور قوت پیدا ہوتی ہے۔ نمازوں سے اخلاقی چلن بنانے، مشکلات پر قابو پانے اور دوسرے کے ساتھ نیکی کرنے میں مدد ملتی ہے۔ روزہ سے انسان اعلیٰ درجہ کی تہذیب نفس حاصل کرتا ہے اور خود پر قابو پا سکتا ہے۔ زکوٰۃ ایک لازمی اجتماعی بھلائی کی اسکیم کا کام کرتی ہے اور چند ہاتھوں میں دولت جمع ہونے سے روکتی ہے۔ حج بیت اللہ سے خالص اسلامیت اور عالم گیر اسلامی برادری کے قیام میں مدد ملتی ہے۔ عبادات تقویٰ کا سنگ بنیاد ہیں جو اسلام کی کسوٹی ہے۔

خاندان

خاندان اسلامی معاشرہ کی بنیادی وحدت ہے۔ یہی اسلامی اخلاق و عادات کی تربیت اور اجتماعی تنظیم کا مرکز ہے۔ قرآن مجید مسلسل افراد خاندان کو ان کے فرائض یاد دلاتا ہے۔ (۲۷) عائلی زندگی میں محبت ہم آہنگی اور انصاف جیسی صفات ناگزیر ہیں۔ خاندان کو بہت سی امانتیں سونپی گئی ہیں۔ (۲۸) والدین کے ساتھ رحم کا سلوک۔ (۲۹) عورتوں کے ساتھ مہربانی و شفقت اور یتیموں، حاجت مندوں، ذمیوں اور غلاموں کے ساتھ انسانی

برتاؤ کرنا اسلامی معاشرہ کی خصوصیات ہیں۔(۳۰) جنسی روابط شریعت کی حدود میں رکھے جائیں۔ مرد کے ذمہ خاندان کے لیے کمانا اور روزی کا انتظام کرنا۔ جسمانی ساخت کے اعتبار سے مرد عورت پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس لیے اسلام نے مرد کو عورت پر فوقیت دی ہے۔ قانون میراث اور شہادت میں ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر سمجھا گیا ہے۔ لیکن اس کمی کو دوسرے ذرائع سے پورا کیا گیا۔ مثلاً جہیز کا حق پورا اسی کو پہنچتا ہے۔ ماں یا بیٹی اور گھر کے معاملات میں بیوی کی حیثیت سے اس کو خصوصی مقام حاصل ہے۔ ورنہ مرد اور عورت دونوں حقوق و فرائض میں برابر ہیں۔ دونوں فریقین میں نکاح کے ذریعہ اجتماعی و معاشرتی تعلق پیدا ہوتا ہے۔

اسلامی ریاست

اسلامی ریاست میں سارا اقتدار خدا اور اس کے رسول کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ اسلام قیصر اور پوپ دونوں کی حکومتوں کو یکجا جمع کرتا ہے۔ مظہر الدین صدیقی لکھتے ہیں:

> ''اسلام میں ریاست اور مذہبی امور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور ان دونوں میں امتیاز اس وقت سے اٹھ گیا جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لی اور آئندہ آنے والے نظام کا تعین ہوا''۔(۳۱)

ریاست کے پیچھے اسلام کا ایک خاص نظام فکر کارفرما ہے۔ اشتراکیت کی طرح یہ بھی نئی ریاست کی پالیسی اور دستور وضع کرتا ہے۔(۳۲) قانون خداوندی کو دنیا میں نافذ کرنے کے لیے اسلام کو سیاسی اقتدار کی ضرورت ہے۔ اسلامی ریاست پادریوں کی حکومت نہیں ہے۔ اس کے لیے مذہب وجمہوری ریاست یا ایک فلاحی مملکت کی اصطلاح زیادہ مناسب ہے۔ یہ دونوں اصطلاحیں جمہوری اور آمرانہ نظاموں کے بین بین ہیں۔ اس ریاست کے باشندے پورے طور پر آزاد ہوتے ہیں لیکن خدا کے غلام حتیٰ کہ رئیس مملکت بھی قانون الٰہی کے تابع ہوتا ہے۔

معاشی نظام

اقتصادی امور کو باضابطہ بنانے کے لیے اسلام نے واضح افادی اور مساویانہ اصول و معیار مقرر کیے ہیں۔ اسلام انفرادی ملکیت، کسب و معاش کے لیے انفرادی کوشش، زکوٰۃ، صدقات اور اجرت کی فوری ادائیگی کے حق

میں ہے۔ دولت کے ارتکاز، سود، مال کو گراں فروشی کی نیت سے روکنے اور زمین کی غیر منصفانہ تقسیم کے خلاف ہے۔ زکوٰۃ ایک اجتماعی فلاحی نظام ہے۔

قانون

اسلام کے لفظی معنی خدا کے حکم کے سامنے جھک جانا ہے۔ یہاں خدا کے حکم سے مراد شریعت ہے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:

''مغرب میں قانون اقتدار اعلیٰ کی منشاء کا نام ہے لیکن اسلامی ملکوں میں قانون خدا کی مرضی کا نام ہے''۔

شریعت احکام و فرائض کے مجموعہ یا مسلمانوں کے لیے ایک مثالی لائحہ عمل کو کہتے ہیں۔ جس میں ان کی زندگی کے ہر پہلو کا لحاظ رکھا گیا ہے یعنی اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں:

''شریعت امت مسلمہ کا دستور ہے''۔

متاخر دور کے علماء نے اجتہاد کے دروازے کو باوجود مسلسل ترقی و تمدن کے بند کر دیا۔ ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے اسلامی قانون کے متحرک مزاج کو نہایت فاضلانہ انداز میں اپنی کتاب ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' میں پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اسلامی قانون کے غیر متبدل پہلو کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

''تمام اسلامی ملکوں میں اس کا اعتراف کیا جا رہا ہے کہ شریعت کے تبدیلی پذیر حصہ میں بہت کچھ تغیر کی ضرورت ہے اور اس کا وہ حصہ جس میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی، تعبیر نو چاہتا ہے''۔

اسلامی قانون بنیادی طور پر بلاشبہ مکمل ہے اور اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔ جیسا ماضی میں تھا وہی آج ہے اور آئندہ بلکہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ لیکن اس کی تعبیر نامکمل انسان اپنی نسبتوں اپنی ضرورتوں اور اپنے حالات کے پیش نظر کرتے رہیں گے۔ اسلام ایک ایسا راستہ ہے جو افراد میں اخلاقی اقدار کے لیے ردعمل پیدا کرتا ہے۔ یہ ردعمل حالات کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے اور اس دائمی رہنے والے قانون کی مسلسل تبدیل ہونے

والے حالات میں مریض انسانیت کی صحت کے لیے کام کرتا ہے۔ اجتہاد کا دروازہ جو صدیوں سے بند ہے، اس کو کھولنے کے لیے اخلاقی کوشش کی ضرورت ہے جو وقت کا سب سے بڑا اہم تقاضا ہے۔

بہبود عامہ اسلامی معاشرتی تنظیم کی بنیاد اور محور ہے، اس لیے ہم اسے الگ سے زیر بحث لا رہے ہیں۔

اسلامی معاشرہ اور بہبود عامہ

اسلام میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا حسین امتزاج ہے۔ اسلام میں نماز سب سے بڑی عبادت ہے۔ لیکن قرآن حکیم نے ایسے نمازیوں کو ہلاکت کی وعید سنائی ہے جو نماز کو محض قیام، رکوع، سجود تک محدود رکھتے ہیں اور اذہان وقلوب میں للّٰہیت وخشیت پیدا کر کے دکھی انسانیت کو اس کے مصائب وآلام سے نجات نہیں دلاتے۔

﴿الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ﴾(۳۳)

''ایسے نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں، جو ریاکاری کرتے ہیں اور اشیائے ضرورت کو روکتے ہیں''۔

معاشرتی بہبود کا بنیادی مقصد معاشرے کے محتاجوں، بیکسوں، معذوروں، بیماروں، بیواؤں اور بے سہارا لوگوں کی دیکھ بھال اور ان کی فلاح و بہبود ہے۔ یہ مقصد بہتر طور پر اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ ایسے لوگوں کی ضرورت اور معذوری دور کر کے معاشرے میں تمول و احتیاج اور دولت وضرورت کے درمیان توازن پیدا کیا جائے۔ جو لوگ ملک سے غربت وافلاس اور ضرورت واحتیاج دور کرنے کے لیے اپنا مال و دولت خرچ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے خرچ کو اپنے ذمے قرض حسنہ قرار دیتے ہیں۔ ساتھ ہی اس بات کی ضمانت بھی دیتے ہیں کہ اس کی ادائیگی کے وقت اسے دوگنا کر دیا جائے گا۔ مزید یہ کہ قرض دینے والوں کو اجر عظیم عطا ہوگا۔

﴿ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ﴾(۳۴)

''جو لوگ خیرات کرنے والے ہیں۔ مرد بھی اور عورتیں بھی اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے ہیں، ان کو دوگنا ادا کیا جائے گا اور ان کے لیے اجر کریم ہے''۔

مخلص اور نیک دل انسان اپنا مال و دولت بے غرض اور بے لوث خرچ کرتے ہیں۔ اس میں وہ اتنے نیک نیت ہوتے ہیں کہ وہ اس خرچ کے عوض محتاجوں اور بیکسوں سے کسی قسم کے بدلہ اور جزاء کے خواستگار نہیں ہوتے بلکہ وہ کہتے ہیں:

﴿اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا﴾(۳۵)

''ہم جو تمہیں کھلاتے ہیں جو خالص اللہ کے لیے ایسا کرتے ہیں، ہم تم سے نہ بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکرگزاری''۔

جو مال دار اور دولت مند اپنے مال و دولت کو معاشرتی بہبود پر خرچ نہیں کرتے اور اپنا مال عیش و عشرت پر لٹاتے ہیں اور بینکوں اور خزانوں میں جمع کر کے ملکی دولت کو منجمد کرتے ہیں، وہ اللہ کے غیظ و غضب کو دعوت دیتے ہیں اور دولت و کنز کے عوض جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ خریدتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ. هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾. (۳۶)

''جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں اس دن کے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ جس دن وہ (مال) دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا کہ) یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا سو جو تم جمع کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو''۔

اسوہ رسول ﷺ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت کی فلاح و بہبود بالخصوص دکھی، مصیبت زدہ، مفلوک الحال اور مفلس و محتاج لوگوں کو باعزت زندگی گزارنے کے قابل بنانا آپ کی بعثت کے اعلیٰ مقاصد میں شامل تھا۔ بخاری اور مسلم کی متفقہ روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((الساعی علی الارملة والمسکین کالقائم لا یفترو کالصائم لا یفطر))(۳۷)

''بیواؤں اور مسکینوں کی مصیبتوں کو دور کرنے میں کوشاں شخص اجر وثواب میں اس شخص کے برابر ہے جو ہمیشہ نماز میں مصروف رہتا ہے اور اس میں کوئی وقفہ نہیں کرتا اور ہمیشہ روزہ رکھتا ہے اور کبھی افطار نہیں کرتا''۔

بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''میں اور یتیم و بے کس کی کفالت کرنے والا جنت میں ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح ہوں گے، جس طرح انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی ایک دوسرے کے ساتھ ہیں''

ابوداؤد اور ترمذی کی روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((الراحمون برحمهم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء))(۳۸)

''جو لوگ دوسروں پر رحم کرتے ہیں، رحمٰن ان پر رحم کرتا ہے، اہل زمین پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا''۔

بیکسوں، مفلسوں اور محتاجوں پر رحم نہ کرنے والے رحمۃ للعالمین کی شفاعت سے محروم ہوں گے۔ رحمت دو عالم ﷺ نے ایسے انسانوں کو اپنی امت سے خارج فرمادیا ہے جو بچوں پر رحم نہیں کرتے، بزرگوں کی عزت نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا))(۳۹)

''وہ لوگ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتے''۔

آنحضرت ﷺ قبل از نبوت مکہ کے ظالمانہ ماحول میں بھی سخت نامساعد حالات کے باوجود چالیس برس

تک مسلسل غرباء وفقراء اور محروم ومعدوم کی خدمت میں مصروف رہے اور اپنی بساط کے مطابق ان کی امداد واعانت فرماتے رہے۔ اس سلسلے میں آپ کے لائحہ عمل اور سیرت وکردار کی جو مستند ترین روایت ہم تک پہنچی ہے، اگر مسلمان اسے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اپنالیں تو نہ صرف اسلامی دنیا جنت نظیر بن سکتی ہے بلکہ پوری دنیا آنحضرت ﷺ کو صحیح معنوں میں رحمت دوعالم ماننے پر مجبور ہوسکتی ہے۔

آپ کی چالیس سالہ قبل از نبوت معاشرتی بہبود کی حکمت عملی کا تذکرہ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس روایت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ غارِ حرا میں تشریف فرما تھے، جبرائیل امین آپ کے پاس آئے اور آپ کو وحی ونبوت سے سرفراز فرمایا۔ اس واقعہ سے متاثر آپ گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ سے اپنی حیرت وپریشانی کا ذکر فرمایا۔ حضرت خدیجہؓ بڑی عقل مند اور بالغ نظر خاتون تھیں، تجارت ودیگر دنیوی امور میں تجربہ ومہارت کے سبب آپ کو معاشرت ومعیشت، تہذیب وتمدن اور مذہب وسیاست کے مطالعے کا کافی موقع ملا تھا۔ آنحضرت ﷺ سے حیرت وپریشانی کا ذکر سن کر آپ نے آنحضرت ﷺ کی سابقہ زندگی کے حالات پر جو تبصرہ کیا وہ تاریخ عالم میں سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ یہی تبصرہ حضور کی معاشرتی بہبود کی حکمت عملی کا تذکرہ ہے۔ بخاری شریف کی کتاب الوحی میں اسے ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

((فقال لخديجة و اخبرها الخبر (لقد خشيت على نفسى) فقالت خديجة كلا والله ما يخزيك الله ابدا انك لتصل الرحم و تحمل الكل و تكسب المعدوم و تقرى الضيف و تعين على نوائب الحق))(۴۰)

آپ ﷺ نے خدیجہؓ کو واقعے کی خبر سنائی اور کہا کہ مجھے کچھ گھبراہٹ سی ہو رہی ہے۔ خدیجہؓ نے کہا، ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم اللہ آپ کو رسوا نہیں کرے گا۔ کیونکہ آپ:

۱۔ تعلقات جوڑتے ہیں۔

۲۔ ناتواں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

۳۔ جو چیز دوسروں کے پاس نہیں آپ انہیں کما کر دیتے ہیں۔

۴۔ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔

۵۔ حادثات کے شکار لوگوں کے حقوق دلانے میں مدد کرتے ہیں۔

حضرت خدیجہؓ نے اپنی حکمت و دانائی سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اعزہ و اقارب سے نیک سلوک کرنا، انسانی تعلقات استوار کرنا، بیکس و ناتواں کے مسائل و مصائب خود اپنے سر لینا ''محروم و معدوم'' کو خود کما کر دینا، مہمان نوازی کرنا، حادثات و مقدمات میں حق دار کو حق دلانے میں مدد دینا، عالمگیر اصول ہیں۔ انسانیت کی فلاح و معاشرت و تمدن کی بہبود کا انحصار انہی پر ہے۔ سورۃ بقرہ کی آیت ۱۷۷ اسلامی عقائد و عبادات اور معاشرتی فلاح و بہبود کا عالمگیر چارٹر ہے:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَـكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيِّيْنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُواْ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَأْسِ أُولٰـئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوا وَأُولٰـئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾(۴۱)

''نیکی یہ نہیں کہ تم مشرق و مغرب کی طرف اپنا منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر، یوم آخرت پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور اس کی محبت پر اپنا مال عزیزوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں کو دیں اور گردنیں چھڑانے پر خرچ کریں اور نماز پڑھیں، زکوٰۃ دیں، جب عہد کریں تو اسے پورا کریں۔ سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو ایمان میں سچے ہیں اور یہی ہیں جو خدا سے ڈرنے والے ہیں''۔

انسانی فوز و فلاح کے اس چارٹر کے مطابق اصل نیکی اور بھلائی یہ ہے کہ انسان ایمانیات کے نتیجے میں اپنے مال و دولت کے ساتھ محبت اور رغبت کے باوجود اسے معاشرتی بہبود کے کاموں پر خرچ کرے۔

اسلام کے نظام معاشرتی بہبود اور اسلام کی روحانی اور اخلاقی اقدار میں گہرا تعلق ہے۔ اسلام کی یہ اقدار انسان کو ایثار، قربانی اور بے لوث خدمت خلق پر آمادہ کرتی ہیں اور وہ اپنے ضرورت مند بھائیوں کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے پر روحانی خوشی محسوس کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں انصارِ مدینہ کا ایثار تاریخ میں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بے لوث خدمات کو دوام بخشنے کے لیے ان کا ذکر اپنی ابدی کتاب کتاب قرآن حکیم میں فرمایا ہے:

﴿ وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾.(۴۲)

''انصار مدینہ مہاجرین مکہ کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو''

اسلام آخری اور مکمل دین ہے۔ اس لیے اس نے ہر قسم کے انسانوں کی فطرت کے مطابق ہدایت فرمائی ہے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے لیے روحانی اور اخلاقی اقدار کے ساتھ قانونی اور انتظامی ضابطوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اس ضرورت کے پیش نظر اسلام میں ے اخلاقی و قانونی ضابطوں کے درمیان حسین امتزاج کیا گیا ہے۔ معاشرتی بہبود کے بنیادی اصول سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۷ میں بیان ہوئے۔ انہی اصولوں کو عہدِ رسالت کے آخر میں قانونی حیثیت دے کر حکومت اسلامیہ کی باضابطہ حکمت عملی قرار دیا گیا:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ.فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ. وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾(۴۳)

''صدقات (زکوٰۃ) تو فقراء، مساکین، کارکنان صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے اور غلاموں کو آزاد کرانے میں اور قرضداروں (کے قرض ادا کرنے میں) اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کی مدد میں (یہ مال خرچ کرنا چاہیے) یہ اللہ کی طرف سے فریضہ ہے، اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے''۔

اس آیت میں ہر قسم کے بے کس، مجبور، محتاج، غریب اور بے سہارا لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے جو اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں، وہ اپنی جامعیت اور استیعاب میں تاریخی عوامل کے تحت ہر زمانے میں

رونما ہونے والے فقر واحتیاج اور بیکسی و بیچارگی پر حاوی ہیں:

الفقراء: وہ لوگ جو معاشی واقتصادی طور پر بالکل تباہ حال ہوں اور ان کے پاس کچھ نہ ہو۔

المساکین: وہ لوگ جن کے پاس کچھ نہ کچھ ہو مگر انہیں بقدر حاجت میسر نہ ہو۔

فی الرقاب: وہ لوگ جن کی گردنیں غلامی، قرض یا دشمنی کی قید کے پھندے میں پھنسی ہوئی ہوں

الغارمین: وہ لوگ جو دیوالیہ ہو جائیں یا قرض دار اور تاوان جیسے حادثات کا شکار ہوں یا ضمانت وغیرہ کے بارے میں دب گئے ہوں۔

فی سبیل اللہ: وہ لوگ جو جہاد کے سامان حرب کی قدرت نہ رکھتے ہوں، غربت کے سبب تعلیم حاصل نہ کر سکتے ہوں اور افلاس کی وجہ سے علاج نہ کروا سکتے ہوں۔

ابن سبیل: وہ لوگ جو اپنے ضروری سفر پر قادر نہ ہوں یا دورانِ سفر اس قابل نہ رہے ہوں۔

فقر ومسکنت، رقبت وغرامت، غربت ومسافرت جیسی مجبوریوں اور معذوریوں کے انسداد کے لیے عہد رسالت میں جو حکمت عملی وضع کی گئی ابن سید الناس نے اس کی تفصیل اپنی کتاب ''عیون الاثر'' میں بیان کی ہے۔ ان کے مطابق آنحضرت ﷺ نے ہر قبیلے میں اپنا ایک عامل مقرر فرمایا، جو اس قبیلے کے محتاجوں اور معذوروں کی فہرست تیار کرتا اور وہاں کے خوشحال ومتمول لوگوں سے جمع ہونے والی زکوٰۃ اور خیرات کو ان کے محتاجوں ومعذوروں پر لوٹا دیتا۔

((تؤخذ من اغنیائھم فترد علی فقرائھم))

''اس طرح وہ انہیں فقر وفاقہ پر قابو پانے میں مدد دیتا''۔

اس حکمت عملی سے محتاج ومعذور بتدریج آسودہ حال اور خود کفیل ہونے لگتے اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ مستقل ذریعہ معاش حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔

اسلامی معاشرہ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر

امر بالمعروف ونہی عن المنکر امت مسلمہ کی وہ صفت ہے جو اسے خداوند قدوس کی جانب سے عطا ہوئی ہے۔ اس دین کے پیروکار اپنی اصلاح کے بعد اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو جاتے بلکہ ان کے دائرہ اصلاح

میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ذیل میں معاشرتی فلاح کے ضمن میں اس کے اہم شعبے کو زیر بحث لایا جا رہا ہے۔

قرآن مجید اچھائی اور برائی کے لیے اکثر یہ دو اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔ ایک معروف اور دوسری منکر۔ عربی زبان کی مشہور لغت لسان العرب میں معروف کے یہ معنی دیئے گئے ہیں:

((کل ما تعرفه النفس من الخير و تبساء به و تطمئن اليه))

''ہر وہ اچھی چیز جسے نفس جانتا ہے، اسے پسند کرتا ہے اور اس سے اسے اطمینان ہوتا ہے''

اور اس کی جو چیز ضد ہوگی وہ منکر ہے۔ عربی لغت میں معروف کی اس طرح تشریح کی گئی ہے۔

''معروف دلالت کرتا ہے فراخ دلی یا فیاضی پر اگر وہ اعتدال کے اندر رہے۔ یا وہ صحیح منصفانہ مقصد کے لیے ہو۔ نیز پر خلوص اور ایمان دارانہ نصیحت، رائے اور عمل پر۔ اور اپنے خاندان اور نوع انسانی میں دوسروں کے ساتھ حسن سلوک پر۔ اور ہر عمل اور کام پر جس کی اچھائی دلیل یا قانون سے معلوم و ثابت ہے''۔

منکر کے یہ معنی دیئے گئے ہیں:

''معروف کے برعکس ہر وہ فعل جسے صحت مند دماغ ناپسند کریں یا اس کی اجازت نہ دیں۔ یا وہ فعل برا، خراب، قابل نفرت، مکروہ، فاسد، نامناسب، گندہ یا وحشت ناک سمجھا جائے، یا اسے ایسا قرار دیا جائے یا قانون اسے ایسا بتائے، کیونکہ اس کے بارے میں دماغ یہی سوچتا ہے''۔

قرآن مجید نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کئی مقامات پر ذکر کیا ہے۔ قرآن کا مومنوں کو ارشاد ہے کہ وہ معروف کا حکم دیں اور منکر سے روکیں۔ سورہ آل عمران میں ہے:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُوْلَـٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ﴾(۴۴)

''اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی ضرور ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کام

کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا، جنہوں نے باہم تفریق کر لی اور باہم اختلاف کر لیا ان کے پاس احکام واضح پہنچنے کے بعد''۔

اب یہ کہ امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کے حکم کے مخاطب سب ہیں یا امت کا ایک مخصوص گروہ۔ اس بارے میں مفسرین میں اختلاف ہے اور اس اختلاف کی بناء لفظ ''منکم'' ہے۔ بعض مفسرین جیسے کہ جلالین میں ہے، منکم میں جو من ہے، اسے تبعیضیہ بتاتے ہیں، یعنی تم میں سے ایک گروہ، تمام امت نہیں۔ لیکن بعض دوسرے مفسرین کا جیسے کہ امام رازی اور شیخ محمد عبدہ ہیں، کہنا ہے کہ منکم میں من بیانہ ہے، یعنی دعوت إلی الخیر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم سب کے لیے ہے۔ آخرالذکر مفسرین نے اپنی اس رائے کی تائید میں قرآن کی بعض دوسری آیات پیش کی ہیں جن میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری مومنین کے کسی ایک گروہ تک محدود نہیں رکھی گئی، چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾(۴۵)

''تم لوگ بہتر امت ہو کہ وہ لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے تم لوگ نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو''۔

یعنی مسلمان اس لیے بہترین امت ہیں کہ انہیں اس فرض منصبی کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے کہ وہ معروف کا حکم کریں۔ منکر سے روکیں اور ان کا اللہ پر ایمان ہو۔

شیخ محمد عبدہ اس بات کے ثبوت کے لیے کہ ایک دوسرے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا سب کی ذمہ داری ہے، قرآن مجید کی حسب ذیل آیات پیش کرتے ہیں:

﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾(۴۶)

شیخ محمد عبدہ کے نزدیک تواصوا کے معنی امر و نہی کے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں عیسائیوں کے خلاف یہ فرد جرم

لگائی ہے کہ "کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون" [۷۹۵۹] (ایک دوسرے کو برے کام سے جو وہ کام کرتے تھے، منع نہ کرتے تھے۔ البتہ برا تھا جو وہ کرتے تھے)۔

تفسیر جلالین میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری تمام مومنین کے بجائے صرف ایک مخصوص گروہ تک اس لیے محدود کی گئی ہے کہ مفسرین جلالین کے نزدیک اس کے لیے معروف اور منکر کا علم ہونا ضروری ہے اور ظاہر ہے امت میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں یہ علم نہیں ہوتا لیکن امام رازی کا کہنا یہ ہے کہ المعروف والمنکر پر جو الف لام ہے وہ استغراق کا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر معروف (اچھی بات) اور ہر منکر (بری بات) پر یہ المعروف اور المنکر شامل ہے۔(۴۷) اس ضمن میں امام رازی نے یہ بھی کہا ہے:

((اعرف المعروفات الدین الحق والایمان بالتوحید والنبوۃ وانکر المنکرات الکفر باللہ))(۴۸)

''معروف باتوں میں سے سب سے بہتر دین حق ہے اور توحید ونبوت پر ایمان ہے اور منکرات میں سے سب سے بری بات اللہ سے کفر کرنا ہے''۔

قرآن مجید اور سنت میں کبھی بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دائرے کو محدود نہیں کیا گیا اور نہ یہ کسی خاص گروہ کا فریضہ قرار دیا گیا۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس پر عامل ہو۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو صرف طبقہ علماء سے مخصوص کر لینے کی مذمت کی ہے اور اسے مشرکانہ فعل بتایا ہے۔(۴۹)

قرآن مجید انسانی معاشرے کے اس روگ کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم ہر مسلمان کے لیے لازی قرار دے کر دور کرنا چاہتا ہے۔ اس بارے میں قرآن مجید کے جو ارشادات ہیں وہ اوپر گزر چکے ہیں۔ احادیث میں بھی اس پر بہت زور دیا گیا ہے۔ ایک حدیث نبوی ہے:

((من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان))(۵۰)

''اگر تم میں سے کوئی بری بات دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کو ہاتھ سے ٹھیک کر دے، اگر وہ ہاتھ سے نہیں کر سکتا تو پھر زبان سے اور اگر زبان سے نہیں تو دل سے (اسے برا

سمجھے) اور یہ ضعیف ترین ایمان ہے''۔

افسوس ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے حکم کے بارے میں ہمارے مفسرین ''منکم'' کے ضمن میں تبعیضیہ اور بیانیہ کی بحث میں پڑ گئے اور معاشرتی زندگی کی اصلاح کے سلسلے میں اس حکم کی اہمیت نظر انداز ہو گئی۔ اگر ہم ''من'' کو تبعیضیہ بھی مان لیں تو اس سے بھی لازم آتا ہے کہ مسلمانوں میں ہمیشہ ہمیشہ ایک جماعت ایسی رہنی چاہیے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر کاربند رہے اور معاشرے کی اصلاح کرتی رہے۔

بے شک قرآن مجید میں ہر شخص کو اپنی ہدایت اور گمراہی کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

﴿مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (۵۱)

''جس نے ہدایت پائی تو وہ اپنے آپ کے لیے ہدایت پاتا ہے اور جو گمراہ ہوا تو وہ اپنے نقصان کے لیے گمراہ ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا''۔

لیکن قرآن مجید میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے:

﴿وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ﴾ (۵۲)

''یہ لوگ اپنے گناہ اور اپنے گناہوں کے ساتھ کچھ اور گناہ بھی اپنے اوپر لادے ہوئے ہوں گے''۔

مطلب یہ کہ اگر ایک شخص کسی کو کوئی برا کام کرتے دیکھتا ہے، اور وہ اسے نہیں روکتا تو اس سے لوگوں کو دھوکہ ہوتا ہے اور وہ برے کام کی برائی سے آگاہ نہیں ہو پاتے۔ اس لیے برے کام سے نہ روکنے والا بھی قابل مواخذہ ہے۔ اس لیے اسلام کا یہ حکم ماقبل اس کے کہ تمام معاشرہ فساد کی زد میں آ جائے، افراد ایک دوسرے کو معروف باتوں کا حکم دیں اور منکرات سے روکیں، اور معاشرہ کو سرتا پا فساد بننے نہ دیں۔ یہ ہیں اسلامی معاشرے کے خدوخال جن سے متعلق اصولی احکامات اور بنیادیں قرآن و احادیث میں مذکور ہیں۔

اس مقالہ میں مسلم معاشرہ کی تشکیل میں عرب کے معاشرتی و معاشی رسوم رواج کو جس حد تک برقرار رکھا گیا یا ترمیم و اضافہ کے ساتھ برقرار رکھا گیا اس کے متعلقہ حصوں میں نشاندہی کر دی گئی ہے، مثلاً نکاح و طلاق کے

مسائل ومعاملات، قصاص ودیت کے احکام اور بیع وشراء کے بہت سے ایسے احکام ہیں جو دور جاہلی میں پہلے سے موجود تھے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں بعینہ اسلامی معاشرہ کا جزو بنا دیا۔ بعض کو مسترد فرما دیا اور بعض کو ترمیم واضافہ کے ساتھ قبول فرمایا۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنسز، جلد۱۳، ص۲۳۶

۲۔ ابن خلدون، المقدمہ، (مطبوعہ، بیروت)، ص۴۹

۳۔ بنی اسرائیل ۱۷

۴۔ ان اقسام نکاح کی تفصیل اور حوالہ جات ملاحظہ فرمایئے راقم الحروف کی کتاب ''اسلامی معاشرہ کی تاسیس وتشکیل، باب دوم ''معاشرتی حالات''، ص۲۹-۷۰

۵۔ البقرہ۲۲۹

۶۔ عبدالکریم زیدان، احکام الذمیین والمستأمنین فی دارالاسلام، ص۳۹۰

۷۔ جصاص، احکام القرآن، ج۳، ص۳۵۷

۸۔ صبحی محمصانی، الاوضاع التشریعیہ، ص۶۰

۹۔ جصاص، احکام القرآن، ج۱، ص۱۶۴

۱۰۔ تفصیل کے لیے دیکھیئے، جصاص، احکام القرآن، ج۱، ص۴۶۴

۱۱۔ بنی اسرائیل، ۱۵

۱۲۔ شوکانی، نیل الاوطار، ج۷، ص۳۶-۳۷

۱۳۔ صبحی محمصانی، الاوضاع التشریعیہ، ص۲۹

۱۴۔ الحجرات، ۱۳

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ الانعام۱۳۲

۱۷۔ الاحقاف۱۹

۱۸۔ بنی اسرائیل ۱۵

۱۹۔ الحجرات ۱۰

۲۰۔ البخاری، الجامع الصحیح، ج ۱، ص ۱۲۸

۲۱۔ الاعراف ۲۹

۲۲۔ الانعام ۱۵۲

۲۳۔ الحدید ۲۵

۲۴۔ النحل ۹۰

۲۵۔ الانعام ۱۵۲

۲۶۔ القرآن، البقرہ ۲۵۶

۲۷۔ الروم ۳، الشوریٰ ۳، النساء ۱، النساء ۱۹

۲۸۔ بنی اسرائیل ۳، البقرہ ۱۰، النساء ۶

۲۹۔ النساء ۳، البقرہ ۱۰، النساء ۶

۳۰۔ النساء ۱، آل عمران ۳، النحل ۱۳

۳۱۔ مظہر الدین صدیقی، اسلام اینڈ تھیوکریسی، (ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور ۱۹۷۸ء)، ص ۳۱

۳۲۔ حوالہ ایضاً، ص ۳۰

۳۳۔ الماعون ۴، ۷

۳۴۔ الحدید ۱۸

۳۵۔ الدہر ۹

۳۶۔ التوبہ ۳۴، ۳۵

۳۷۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب النفقات باب النفقات

۳۸۔ الترمذی، السنن، باب البر، ابوداؤد، سنن، باب الادب

۳۹۔ بخاری، تفسیر سورہ الحشر ۵۹

۴۰۔ البخاری، الجامع الصحیح، دار ابن کثیر (دمشق، بیروت)، ج ۱، ص ۵

۴۱۔ البقرہ ۱۷۷

۴۲۔ الحشر ۹

۴۳۔ التوبہ ۶۰

۴۴۔ آل عمران ۱۰۴، ۱۰۵

۴۵۔ آل عمران ۱۱۰

۴۶۔ القرآن، العصر ۱، ۳

۴۷۔ فخر الدین الرازی، تفسیر الکبیر، (مطبع بھیہ المصریہ، قاہرہ ت۔ل)، ج ۳، ص ۲۶

۴۸۔ فخر الدین رازی، مفاتح الغیب ص ۲۷

۴۹۔ ابوالکلام آزاد، امر بالمعروف، (مطبوعہ ہلال بک ایجنسی، دہلی ت۔ن)

۵۰۔ مسلم، الالجامع صحیح، کتاب الایمان، باب الایمان

۵۱۔ بنی اسرائیل ۱۵

۵۲۔ العنکبوت ۱۳

أهل الحل والعقد صفاتهم ومسؤليتهم في ضوء القرآن والسنة

الدكتور محمد سليم شاه ☆

اتفق علماء الأمة على أن أهل الحل والعقد يوكل إليهم النظر في مصالح الأمة الدينية والدنيوية ومنها اختيار الإمام (الحاكم) للمسلمين، وإنهم هم المسؤلون عن تصفح أحوال الذين عندهم الصلاحية لهذا المنصب الجليل، وأهل الحل والعقد هم الذين ينوبون عن الأمة لمباشرة هذا الاختيار وهم لا يمثلون أنفسهم فقط بل يمثلون الأمة كلها. فمبايعة أهل الحل والعقد للامام هي مبائعة الأمة كلها.

وذلک لأن الخلافة أو الإمامة وسيلة إلى إقامة الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، وهذا واجب على جميع أفراد الأمة الإسلامية وحيث إنه لايمكن القيام به على وجهه الأكمل إلا بعد تنصيب الخليفة الحاكم للمسلمين، فمسؤلية اختيار الخليفة راجعة إلى الأمة بأجمعها وحيث إن الأمة متفرقة في الأصقاع والأمصار وفيها القوي والضعيف والعالم والجاهل إلى غير ذلک، فالمسؤلية تقع على أعناق عقلاء الأمة وعلمائها وأصحاب الخبرة والنصيحة وهؤلاء هم أهل الحل والعقد. ولما أن جماعة أهل الحل والعقد لها أهمية كبيرة في الحكم الإسلامي فلابد أن تبين صفاتهم ووظائفهم ومسؤليتهم إزاء الأمة في ضوء القرآن والسنة، وإليک بيان كل ذلک.

☆ الأستاذ المساعد بكلية أصول الدين، الجامعة الإسلامية العالمية، إسلام آباد،

معنى الحل والعقد لغة واصطلاحاً:

الحل والعقد: كلمة مركبة من الكلمتين "الحل" و"العقد" وهما كلمتان إحداهما ضد الآخرى، فالحل ضد العقد والعقد ضد الحل.

وفي اللّسان: العقد نقيض الحل عقده يعقد عقداً وتعاقداً وعقده الشد، ويقال عقدت الحبل فهو معقود وموضع العقد من الحبل معقد، وعقد التاج فوق رأسه وأعقده عصبه به.

وعقدت الحبل والبيع والعهد، فانعقد والعقد العهد والجمع عقود وهي أوكد العهود، وعقد البناء بالجصّ يعقده عقداً ألزقه.(١)

والحلّ معناه لغة نقض العقدة، في القاموس المحيط حل العقدة نقضها فانحلّت وكل جامدٍ أذيب فقد حلّ(٢).

والخلاصة أن هذا اللفظ أهل الحل والعقد: كلمة مركبة من ثلاثة أجزاء، الجزء الأول هو لفظ "أهل" والثاني لفظ "الحل" والثالث لفظ، العقد ولفظ أهل هو مضاف إلى الكلمتين المتناقضتين فإن الحل نقيض العقد والعقد نقيض الحل وهذا يؤدي مفهوم العموم فالمعنى اللغوي على هذا التفصيل، من بيده أمر إجازة الشيء وإلغاءه وهذا معنى صاحب الاختيار الكامل.

وأما المعنى الاصطلاحي لهذا المركب: فقال الأستاذ الدكتور وهبة الزحيلي: هم العلماء المختصون (المجتهدون) والرؤساء ووجوه الناس يقومون باختيار الإمام نيابةً عن الأمة(٣) وقال الاستاذ عبد اللّٰه بن عمر بن سليمان الدميجي: هم فئة من الناس على درجة من الدين والخلق والعلم بأحوال الناس وتدبيرهم الأمور، ويسمون أهل الاختيار، وأهل الشورى وأهل الرأى والتدبير.(٤)

وقال بعضهم إنهم العلماء والرؤساء ووجهاء الناس الذين يتيسَّر اجتماعهم(٥) هذا وقد ذكر عدد من أهل العلم المراد بلفظ أهل الحل والعقد فذكر البعض شيئاً والبعض الآخر شيئاً آخر، وإليك نبذة مما قاله العلماء فيه؛ فقال بعضهم: إنهم العلماء من أهل الاجتهاد(٦) وقال بعضهم مثل ما ذكرنا سابقاً بأنهم: العلماء والرؤساء ووجهاء الناس الذين يتيسّر اجتماعهم. فكانهم قالوا إنهم ثلاث فئات: الأولى: العلماء: والثانية الرؤساء والمراد بهم أصحاب السلطة الاجتماعية والسياسية، والثالثة وجوه الناس والمراد بهم ساداتهم والسيادة معناها المجد والشرف، وممن قال به الإمام النووي من الشافعية. وقال بعض العلماء إن المراد بهم الأشراف والأعيان وهم كبار القوم من أصحاب العلو والمجد وبخاصة من ذوى الأنساب بغض النظر عن العلم أو التقوى(٧) وقال بعضهم: إنهم أفاضل المسلمين المؤتمنون على أمر المسلمين(٨) وفيه تركيز على خصلتي الفضل والأمانة؛ وذهب آخرون إلى أنهم أو لو الأمر المذكورون في قوله تعالى ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِى الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾(٩) قال النيسابوري: إن كلامن الطائفتين أعنى أولى الأمر وأهل الحل والعقد يمكن أن يفسر إحداهما بالآخرى (١٠)

وبعد إلقاء النظرة العابرة على هذه الآراء المختلفة والاتجاهات العديدة فلا نرى بين هذه الأراء تباينا ولا تباعدا شاسعا، بل في بعضها شيء من التداخل أيضاً كما أن بعض الآراء فيها تعميماً بمثل فئات عديدة نعم إن بعض الاتحاهات يوجد فيها نوعا من النقص، فالقول بانهم العلماء خاصة فيه نقص بأن العلماء وإن كانوا أصحاب منزلة وأثر اجتماعي ولكنهم قد يكونون قليلي التأثير فلا بد من أن تشاركهم فئات آخرى الذين لهم تأثير في المجتمع ولا سيما عند ظهور الجهل وضعف الوازع الديني، وهكذا

القول بأنهم الأشراف والأعيان قد يحصر أهل الحل والعقد فيما يعرف بالطبقة الممتازة فتستبد بالأمر وبما لا يكون لأهل العلم والفضل نصيب فيها.

هذا ورأي الشيخ الإمام محمد عبده أن أهل الحل والعقد هم الأمرء والحكام والعلماء ورؤساء الجند وسائر الرؤساء والزعماء الذين يرجع إليهم الناس في الحاجات والمصالح العامة(١١) وقال تلميذه الشيخ رشيد رضا: المتبادر أنهم زعماء الأمة وأولو المكانة وموضع الثقة من سوادها الأعظم بحيث تتبعهم في طاعة من يولون عليها فينتظم به أمرها، ويكون بمأمن عصيانها وخروجها عليه.(١٢)

وكل هذه الآراء تدل على أن الأمر فيه سعة وتطلق هذه الكلمة على كل من يقدر أن يقوم بمصالح الأمة ولوفي دائرة خاصة والحق أنه ليس هناك ميزان يوزن به هذه المقدرة والصلاحية والأمر إنما يكون بغالب الظن وقد يُختار المفضول ويترك الأفضل وذلك لأن العقل الإنساني قاصر عن إدراك الحقائق كلها رغم أن الصلاحيات تتطور ولا يكون الانسان بحالة واحدة طول حياته.

هذا وإن اصطلاح أهل الحل والعقد قد نشأ من قبل العلماء مثل غيره من الاصطلاحات ولم يرد بهذا اللفظ في القرآن ولا في الحديث، إلا أنه مستند إلى النصوص من الكتاب والسنة وإليك بنماذج منها.

قال تعالى: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ص فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْلَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾(١٣) وقال تعالى: ﴿وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوْا

الـصَّـلاَةَ وَأَمْرُهُمْ شُوْرَى بَيْنَهُمْ وِمِمَّارَزَقْـنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾(١٤) قال ابن عطيه: فالشورى مـن قـواعـد الشـريعة وعزائم الأحكام(١٥) وقال القرطبي: واجب عـلى الولاة مشاورة الـعـلـمـاء فيـمـا لايعلمون وفيما أشكل عليهم من أمور الدين ووجوه الجيش فيما يتعلق بـالـحـرب ووجـوه الـنـاس فيما يتعلق بالمصالح ووجوه الكتاب والوزراء والعمال فيما يتعلق بمصالح العباد وعمارتها.(١٦)

قـال الـنـووى فـي الأذكـار: ليستشير من يثق بدينه، وخبرته، وحذقه ونصيحته وورعـه، وشـفـقـتـه(١٧) وهـــذه الاستـشارة تكون في أمور الدينا المحضة كا لزراعة والصناعة ونحوهما وفي الأمور الدينية للاجراء ات التنفيذية كالجهاد ومكيدة الحرب وأمثـالهـا. وكـذلـك الأمـور الدينية التى لا نصّ فيها قال الجصاص: ولما لم يخص الله تـعالىٰ أمر الدين من أمور الدينا في أمره صلى الله عليه وسلم بالمشاورة وجب أن يكون ذلـك فيهما جميعاً.(١٨)

والـخـلاصة إن المشورة والشورى وأهل الشورى قد ذكر الله تعالىٰ في كتابه بعضها صـراحة وبـعضها دلالة وإشارة، وكل ذلـك أصل أصيل في "أهل الحل العقد" فإن مهمتهم لا تـخـرج عـن نطاق الشورى كما أن صفات أهل الشورى هي عين صفات أهل الحل والعقد بل هما شيء واحد بتعبيرين مختلفين.

هـذا وكـذلـك قـولـه تـعـالـى: ﴿وَلْتَـكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِـالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُوْلٰـئِـكَ هُمْ الْمُفْلِحُوْنَ﴾(١٩) قال الحافظ ابن كثير: ولتـكـن منكم أمة منتصبة للقيام بأمر الله في الدعوة إلى الخير والأمر بالمعروف والنهى عـن الـمـنـكـر ... والـمـقـصود من هذه الآية أن تكون فرقة من هذه الأمة متصدية لهذا

الشان إن كان ذلك واجبا على كل فرد من الأمة بحسبه(٢٠)

قال الشيخ محمد عبده: إن هذه الآية في دلالتها على قاعدة الشورىٰ عن الحكم أقوى من قوله تعالى: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي ٱلْأَمْرِ﴾ وقوله : ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ لأنها تفرض أن يكون في الناس جماعة متحدين أقوياء يتولون الدعوة إلى الخير والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر وهو عام في الحكام والمحكومين ولا معروف أعرف من العدل ولا منكر أنكر من الظلم(٢١) وقال تلميذه الشيخ رشيد رضا: ومعنى الآية على هذا الوجه أنه يجب أن تكون قوة المسلمين تابعة لهذه الأمة التي تقوم بفريضة الدعوة إلى الخير والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، فهي بمعنى مجالس النواب في الحكومات الجمهورية والملكية المقيدة فكأن الآية بيان لكون أمر المسلمين شورى بينهم(٢٢)

ومن مستندات ذلك قوله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِى ٱلْأَمْرِمِنْكُمْ﴾ وهم العلماء والولاة كمامر.

قوله تعالى: ﴿ وَلَوْ رُدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَإِلَى أُوْلِى ٱلْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَه الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهُ مِنْهُمْ﴾(٢٣).

وأما من السنة فما جاء في الحديث: الدين النصيحة الدين النصيحة الدين النصيحة قيل لمن يارسول الله؟ قال: لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم(٢٤).

والنصيحة كلمة جامعة معناها حيازة الحظ للمنصوح له ويقال هو من وجيز الأسماء ومختصر الكلام..... ومعنى الحديث: عماد الدين وقوامه النصيحة كقوله الحج عرفة أي عماده ومعظمه عرفة.

وفي الحديث عن جرير بن عبد الله قال بايعت النبى -صلى الله عليه وسلم - على إقام الصلاة وإيتاء الزكاة وللنصح لكل مسلم(٢٥)

هذا ولاشك أن من نصح المسلمين الاهتمام بأمورهم العامة وهو لا يتحقق إلا بأن تنصب مجموعة من الأمة تندب نفسها للقيام بهذه الأعمال العظام وطبعا هؤلاء هم أهل الحل والعقد.

وهذا بالإضافة إلى ما جعل اللّه تعالىٰ المسؤلية الجماعية في المجتمع الإسلامي على العلماء وأصحاب الرأي والفكر و هذه المسؤلية وإن كانت متجزئة متقسطة على الناس كل بحسبه ولكن الأمور المهمة كالإمامة والقضاء والحسبة وتدبير الناس في أمورهم حلا وعقدا. لا بد أن لاتترك للعامة فتحل الفوضى وينتشر الفساد والأمة المسلمة تفوض الأمر في هذا كله إلى أهل الحل والعقد وذلك لمكان الثقة منهم.

ثم إن أهل الشورى وأهل الحل والعقد شيء واحد لافرق بينهما، صفاتهم واحدة واحدة. ويرى جماعة من العلماء الفرق بين أهل الشورى وأهل الحل والعقد ولكنه مبني على التكلف والأصل عدم التفرق بينهما، وقد ذهب بعض العلماء إلى أن أهل الحل والعقدهم أهل الإجماع قال الإمام فخر الدين الرازي في تعريف الإجماع: هو إتفاق أهل الحل والعقد من أمة محمد صلى الله عليه وسلم على أمر من الأمور ثم قال: نعنى بأهل الحل والعقد المجتهدين في الأحكام الشرعية (٢٦)

وهذا رأى جماعة من الأصوليين، فأهل الحل والعقد عندهم هم المجتهدون ولكن عامة العلماء لايشترطون الاجتهاد فيهم، نعم منهم المجتهدون أيضا، لا كلهم، بل

ذكروا صفات أخرى لو وجدت في غير مجتهد يكون من أهل الحل والعقد،

وقد حدد العلماء الشروط التي يجب أن تتوفر في من يكون أهلا للدخول في هذه الجماعة، وهذه الشروط تنقسم إلى قسمين ويمكن لنا أن نسمي القسم الأول منهما بالشروط الأصلية والثاني منهما بالشروط الفرعية وإليك بيان القسمين، القسم الاوّل وهي -في الحقيقة- شروط الولاية العامة:

ا. الإسلام :

وهذا شرط أساسي في كل ولاية فلا يجوز تولية من ليس بمسلم قال تعالى: ﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلاً﴾(٢٧)

وكذلك أشار الله تعالىٰ الى هذا الشرط بقوله (وأولي الأمرمنكم) قال ابن منذر وأ جمع كل من يحفظ عنه من أهل العلم أن الكافر لا ولاية له على مسلم(٢٨).

هذا ويرى جماعة من العلماء في عصرنا الحاضر أن الذمي الذى يكون صاحب حذق وخبرة فلا مانع من أن ينضمّ إلى هذه الجماعة وذلك فيما يتعلق بحقوق الذميين واستخبار أحوالهم وآراء هم وحقوقهم ولقد ثبت في عدد من المواضع أن الرسول -صلى الله عليه وسلم- استفسر بعض الأمور من الذين لم يؤمنوا ولكنهم كانوا أهل الحذق والخبرة. ولما أن أهل الحل والعقد إنما يقدمون المشورة فقط وليس التنفيذ بأيديهم فهذا ليس من قبيل الولاية التي نفاها الله تعالى بقوله: ﴿لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلاً﴾.

٢. العقل:

وذلك لان العقل أساس التكليف فالمجنون قد رفع عنه القلم قال عليه الصلاة والسلام: رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتى يستيقظ، وعن المعتوه أو المجنون حتى يعقل وعن الصغير حتى يشب(٢٩)

فلا يجوز تولية غير العاقل سواء كان لصغره -أي لم يبلغ- اولطارى طراً فاد ى إلى زوال عقله أو نقصانه.

ويضاف إلى العقل البلوغ أيضاً لأن مدار التكليف عليه، وهو ظاهر.

٣. العدل:

والعدل هو الهيئة الكامنة في النفس توجب على الإنسان اجتناب الكبائر والصغائر والتعفف عن بعض المباحات الخارمة للمروء ة وبناء على هذا فلا يجوز تولية الفاسق ولا من فيه نقص يمنع الشهادة.

ومن شان اشتراط العدالة أن يؤدى إلى ثقة أفراد الأمة في اختيار العدل والعدالة تثبت بالاستفاضة والشهرة قال النووي: فمن اشتهرت عدالته بين أهل العلم وشاع الثناء عليه بها كفى فيها(٣٠) والدليل على هذا من القرآن قوله تعالى: ﴿وَأَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾(٣١) وليس المراد بالعدل أن يكون معصوما فإن العصمة متعذرة، ولكن الذي يوجد فيه انحراف فكري أو فساد العقيدة أو الدعوة إلى بدعته أو التهاون في أمور دينه كالصلاة والصوم فلا يجوز أن يكون جزء اً من هيئة أهل الحل والعقد.

٤. العلم:

يشترط في أهل الحل والعقد درجة معينة من العلم تؤهلهم إلى حسن الاختيار

قال الماوردي: أما أهل الاختيار فالشروط المعتبرة فيهم ثلاثة أحدها العدالة الجامعة لشروطها، والثاني العلم الذي يتوصل به إلى معرفة من يستحق الإمامة على الشروط المعتبرة فيها(٣٢) وقال الجويني: فلو لم يكن المعين المتخير عالما بصفات من يصلح لهذا الشان لأوشك أن يضعه في غير محله ويجر إليه ضرراً بسوء اختياره ولهذا لم يدخل في ذلك العوام ومن لا بعد من أهل البصائر.(٣٣)

قال الشيخ عبد الله الدميجي: وأما أن يكون هناك تحديد لدرجة معينة من العلم كأن يكون مجتهدا فالذى يظهر أنه لايشترط الاجتهاد، ولكل عصر ما يناسبه.(٣٤)

٥. الرأي والحكمة:

يشترط أن يكون المختار من ذوي الرأي السديد والنظر الثاقب الذي يعرف حاجات الدول وطبائع الرجال ويكون عنده من القدرة على التمييز الكافي في الاختيار. قال الماوردي: الثالث أي من الشروط. الرأي والحكمة المؤديان إلى اختيار من هو الأصلح للإمامة وبتدبير المصالح أقوم وأعرف(٣٥)

والرأي هو الشيء الذي أشار إليه الشاعر الإسلامى بأن فقدانه موجب لموت العقل

گفت مرگ عقل گفتم ترک فکر گفت مرگ قلب گفتم ترک ذکر

٦. الـــذكـورة:

لقد جعل كثير من الفقهاء الذكورة في الولايات العامة شرطاً وذلك لقوله تعالى: ﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوْا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾(٣٦) ولقوله صلى الله عليه وسلم :"لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة " (٣٧)

ولأن الولايات يحتاج فيها إلى الدخول في محافل الرجال، وهذا محظور على النساء.

قال الجويني: فما نعلمه قطعا أن النسوة لا مدخل لهن في تخير الإمام وعقد الإمامة فإنهن ماروجعن قط ولو استشير في هذا الأمر امرأة لكان أخرى النساء وأجدرهن فاطمة بنت رسول الله- صلى الله عليه وسلم- وكذلك أمهات المؤمنين. (٣٨)

هذا ويرى جماعة من المتنورين أن المرأة تكون من أهل الحل والعقد وأهل المشورة ويستدلون بأن الرسول الله صلى الله عليه وسلم استشار زوجه أم سلمة -رضى الله عنها- يوم الحديبية حينما رأي إحجام الناس وعدم امتثالهم لأمره بأن ينحروا ويحلقوا فأشارت عليه بأن يخرج إليهم فلا يكلمهم فينحر ويحلق ففعل فلما رأي الناس ذلك فعلوا فعله. (٣٩)

والحق أن هذا دليل قوى في كون المرأة أهلا للمشورة ولعضوية هذه الهيئة وأما الاستدلال بقوله تعالى : ﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ فليس بواضح ولامنا فاة بين كون الرجال قوامين على النساء وبين كون بعض النساء أهلا للمشورة او أما الحديث ﴿لن يفلح قوم ولوا امرهم امرأة﴾ فهذا في كون المرأة ملكة للدولة، أما كونها مشيرة فالحديث ليس فيه ما ينهى عن ذلك.

فاستشارة سيد البشرو الإنسان الكامل زوجه أقوي دليل على أن المرأة من أهل المشورة وإذاهي أهل لأن تكون عضوا في هيئة أهل الحل والعقد ، وأما الاستدلال إلى بأنها تحتاج إلى الدخول في محافل الرجال فينبغي أن يكون في المجلس مقاعد للرجال ومقاعد للنساء قياسا على صفوف النساء في الصلاة خلف صفوف الرجال مع مراعاة الحجاب الشرعى فالأمر سهل والحق أبلج.

٧. **الحرية**:

وهذا شرط أساسي في الولايات كلها قال إمام الحرمين: وكذلك يُناط هذا الأمر . أي عقد الإمامة والاختيار. بالعبيد وإن حادوا قصب السبق في العلوم. (٤٠)

والقسم الثاني : هي الشروط الفرعية ومنها.

١. **الخبرة**: لأنّ لسان التجربة أصدق والخبرة تزيد العلم قوة ولذا قيل سل المجرب ولاتسأل الحكيم، وكلما يكون عضو من أعضاء الهيئة ذاخبرة يكون أحسن رأيًا فيها وأقوى موقفا واستدلالا.

٢. **أن يكون من أهل البلد**: وهذا يعبر عنه في الزمن الحالي بالمتجنس حتى أن بعض الناس قالوا أن أهل لأخيار لا بد أن يكونوا من العاصمة التي يسكنها الإمام فمن يصلح للإمامة يوجد عادة في العاصمة أكثر مما يوجد في غيرها من المدن والقرى قال الجبائي المعتزلي: إن نصب الإمام واجب على أهل المدينة التي مات فيها الإمام وهم بوجوب ذلك أولى ممن بعده. (٤١)

ولكن الإسلام يعطي هذا الحق لمن يكون من أهل الإسلام وينتمي إليه والمسلم جنسيته اسلامه، والمسلمون سواء لافرق فيهم بين عربي وعجمي نعم الترجيح ينبغي أن يكون لأهل البلاد، لأن أهل مكه أدرى بشعابها قال ابو يعلىٰ: وليس لمن كان في بلد مزية على غيره من اهل البلاد يتقدم بها وإنما صار من يختص ببلد الإمام متوليًا لعقد الإمامة لسبق علمه بموته ولأن من يصلحون للخلافة موجودون في بلده (٤٢) قال ابن حزم: وامّا قول من يقول إن عقد الإمامة لايصح الا بعقد أهل حضرة الإمام وأهل الموضع الذى فيه قرار

الائمة هو قول فاسد لاحجة لأهله. (٤٣)

والحق أن وسائل الاتصال قد تقدمت إلى أن الدنيا كلها صارت كقرية واحدة فإذا كان الشخص أهلاً من -أى ناحية كان- النواحى لكونه من أهل الحل والعقد فلا حاجة إنى أن يكون من نفس المدينة اونفس البلد نعم يجب أن يكون منتميا إلى الإسلام ومن أهل الإسلام.

٣. **الورع**: وهو الاجتناب من المشتبهات وهذه الصفة قليل الوجود ولامانع أن يعرف بالإجتناب عن المناهى والامتثال بالأوامر عموماً مع الاتقاء عن الأمور المضادة للمروة.

كيف تعرف هذه الهيئة:

وهذا من الأمور المهمة وذلك لأن الهيئة بهذه الرتبة العظيمة وأن يكون بيدها الحل والعقد، ونصب الإمام وعزله كيف يتم اختيار هذه الفئة من بين المسلمين وكيف يعين هؤلاء الناس لهذه الوظيفة فهناك آراء: منها أن الشخص الذي توافرت فيه هذه الصفات يكون من أصحاب الحل والعقد من غير تعيين له وتكليف من أى جهة، بدليل أن هذا هو كان الواقع السياسي في القرون المفضلة. (٤٤)

وهذا الأمر وإن كان واقعاً في القرون المفضلة الماضية لا يعتمد عليه في الأيام الحالية وإلا ليكون الأمر فوضى مفضيا إلى الاختلاف والانتشار فيما بين المسلمين وهذا ظاهر.

ومنها أن يكون تعيين هؤلاء الناس من قبل الإمام أو رئيس الدولة بناء على استفاضة الأخبار عن فضلهم وتقدمهم على من عداهم. ومنها: أن يتمّ الاختيار عن طريق الانتخاب وذلك بأن تشترك الأمة كلها في هذا الاختيار ليكونوا نواباً عنها، وهذا

الأسلوب يعتبر المنهج الأمثل وهذا بشرط أن يكون نظام الانتخاب مطابقا لما جاء في الشرع بريئا من التزييف والتضليل والكذب والغش والخداع وشراء الأصوات وبشرط توافر الشروط التي اشترطها الفقهاء في أهل الحل والعقد ليكونوا مرشحين لتمثيل الأمّه، واستدلوا لهذه الفكرة بقوله -صلى الله عليه وسلم- لأهل بيعة العقبته: أخرجوا منكم اثنى عشر نقيباً(٤٥) فجعل إليهم اختيار ممثليهم أي انتخابهم ومنها الجمع بين التعيين والانتخاب بحيث تحصر الكفاءات المؤهلة للحل والعقد ومن قبل الإمام ثم يجرى الإنتخاب من هذه المجموعة بحيث ينتخب عدد منهم من قبل الأمة.

ومنها: أنه متروك للاجتهاد والظروف والأحوال قال الدكتور محمد يوسف موسى "بأصوله العامة وبما فرضه من الشورى في أمور الأمة قابل تماما لكل نظام يؤدى إلى تبين أهل الرأي والبصر بمافيه الخير للأمة وما يتحقق المصلحة العامة في جميع أمورها ولكل أهل عصر من العصور أن يتخذو النظام الذي يرونه كفيلا بتحقيق تلك الغاية الجليلة معتمدين على اجتهادهم ومستلهمين روح الإسلام وشريعته.(٤٦)

والراجح هو هذا الرأى الأخير لأن المصلحة العامة والظروف والأحوال في العصر الحاضر يؤيد طريق الانتخاب بالشروط المذكورة ولكنه لووجد طريق أحسن من هذا الطريق فإن المجال ينبغي أن يكون مفتوحاً فالمقصود هو تعيين أحسن الناس لأحسن العمل بأحسن الطريق.

مسؤلية أهل الحل والعقد:

وأما مسؤلية أهل الحل والعقد فهي كالتالي:

أ. **دراسة أحوال المسلمين وأمورهم ومشاكلهم والبحث عن حل هذه المشاكل في**

ضوء الشريعة الإسلامية: قال تعالى: ﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ﴾(٤٧)

قال الرازى في مفاتيح العنيب: وقد أوجب الله على الذين يجيئهم أمر من الأمن أو الخوف أن يرجعوا في معرفته إليهم (أي اولي الأمر) ولا يخلو إمّا أن يرجعوا إليهم في معرفة هذه الوقائع مع حصول النص فيها أولا مع حصول النص فيها والأول باطل لأن على هذا التقدير لا يبقى الاستنباط لأن من روى النص في واقعة لا يقال إنه استنبط الحكم فثبت أن الله تعالى أمر المكلف بردالواقعة إلى من يستنبط الحكم فيها، ولولا أن الاستنباط حجة لما أمر المكلف بذلك والآية داله على أمور أحدها أن في أحكام الحوادث ما لا يعرف بالنص إلا بالاستنباط ، وثانيها أن الاستنباط حجة ثالثها أن العامي يجب عليه تقليد العلماء في أحكام الحوادث ورابعها أن النبي -صلى الله عليه وسلم - كان مكلفا باستنباط الأحكام لانه تعالى أمر بالرد إلى الرسول وإلى أولي الأمر(٤٨)

وفي لباب التأويل: اى يستخرجون تدبيره بذكاء هم وفطنتهم وتجاربهم ومعرفتهم بأمور الحرب وما ينبغي لها ومكائدها، وهم العلماء الذين علموا ما ينبغي أن يكتم من الأمور وما ينبغي أن يذاع منها ويقال استنبط الفقيه المسئله إذا استخرجها باجتهاده وفهمه(٤٩)

إذا على أهل الحل والعقد المبادرة إلى حل مثل هذه المشاكل الحادثة وإن الأحكام الصادرة من الهيئات الجماعية هى أقرب إلى الحق بل الاصوب في معظم الأحوال، وكان الخلفاء الراشدون إذا عرضت لهم نازلة استشاروا فيها كبار الصحابة -رضى الله عنهم- الذين كانوا يمثلون أهل الحل والعقد في ذلك الزمن والأمثلة لذلك كثيرة، من شاء فليراجع سيرة خلفاء الراشدين.

٢. **الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر:** قال تعالى: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾(٥٠)

قال الشوكاني: وهو من أعظم واجبات الشريعة المطهرة وأصل عظيم من أصولها وركن مشيد من أركانها وبه يكمل نظامها وترتفع سقامها" وطبعاً(٥١) هذه المسؤلية على الأمة كلها ولكن أهل الحل والعقد تقع هذه المسؤلية عليهم بحيث إنهم يمثلون الأمة في كثير من الأمور فهذا أولى.

وقال ابن كثير في تفسير قوله تعالى: ﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾(٥٢)

والمقصود من هذه الآية أن تكون فرقة من هذه الأمة متصدية لهذا الشان وإن كان ذلك واجبا على كل فرد من أفراد الأمة بحسبه (٥٣)

٣. **الإصلاح بين الناس:** قال تعالى: ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوْا الَّتِي تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللّٰهِ، فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوْا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (٥٤)

ولا شك أن الإصلاح بين الناس الذى أمر القرآن به أمر صعب لايقدر كل واحد أن يقوم بأداء هذه المسؤلية فلا جرم أن يتحمل هذه المسؤلية أهل الحل والعقد من الأمة سواء كان ذلك بمبادرة منهم أو بإشارة من الإمام ومع ذلك لا تزال الأمة تكون بعمومها مسؤلة عن الإصلاح إيضاً فكل فرد يعمل في دائرته وإذا كان النزاع على صعيد كبير ونطاق واسع فلا يقدر على الإسلاح فيه إلا من يكون من أهل الحل والعقد، وهذا أمرمهم في زمننا هذا ولا سيما في النزاعات بين الدول الإسلاميه.

٤. **نصب الإمام:** وهذه الوظيفة من أهم وظائف هذه الطائفة، ولا شك أن الأمة قد تحتاج إلى نصب الإمام بسبب فراغ منصب الإمامة، وإن الأمة بدون الإمام كجسد بلا رأس، والمقصود بالإمام هو الحاكم التنفيذى سواء كان باسم الإمام أوالملك أو السلطان أو الخليفه أو الأمير أو الرئيس.

فمسؤلية أهل الحل والعقد في هذه الظروف البحث والنظر في من توجد فيه صفات الإمام ومؤهلاته لكي يعرضوا الأمر عليه إن كان واحدا وإن كانو أكثر من واحد فيقدموا من يرونه أصلح لهذا المنصب وأكثر مصلحة للمسلمين وكل ذلك حسب الطاقة البشرية.

هذا والاختيار بالمشورة والإجماع أفضل طريق لنصب الإمام وتوليته وأما نظام العهد إلى الأبناء والإخوان فليس بشيءٍ لأن الإمامة لا تجرى فيها الوراثة نعم إذا كان العهد إلى غير وارث بسبب أنه أهل لذلك ويقع تامًا على شروط الإمامة والحكم فلا مانع من ذلك أيضا ومع ذلك التولية إنما تعتبر نافذة بعد بيعة أهل الحل والعقد بيده بحيث يكون مراحل استيلائه على الحكم حسب مشورة أهل الحل والعقد، لأن الإمامة لا تتم إلا بمبائعة الناس له برضاهم لا بالجبر والإكراه.

أما البيعة فهي أصل شرعي لتولّى الحكم، وهي عبارة عن عقد بين المسلمين وواحد منهم على أن يقوم هو بشؤونهم ورعاية مصالحهم حسب الشريعة الإسلامية وعلى أن يسمعوا ويطيعوا له في المعروف مع مناصرته وموازرته وقد ذكر الله تعالى البيعة في القرآن فقال ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَا يِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَإِنْمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفٰى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ أَجْراً عَظِيْماً﴾ (٥٥).

وفي الحديث من مات وليس في عنقه بيعة مات ميتة الجاهلية(٥٦) وعن عبادة بن الصامت -رضى الله عنه- قال بايعنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم- على السمع

والطاعة في المنشط والمكره وأن لا ننازع الأمر أهله (٥٧).

والبيعة عقد طرفاه الإمام والأمة ممثلة بأهل الحل والعقد فأهل الحل والعقد هو الطرف الأول والطرف الثاني هو المرشح للإمامة وهكذا كانت مبانعة الخليفة الأول أبي بكر الصديق في سقيفة بني ساعدة بعد وفاة النبي -صلى الله عليه وسلم وكان أوّل من بايعه عمر بن الخطاب -رضى الله عنه- ثم تبعه الناس وأجمعوا عليه(٥٨).

وأما عمر- رضى الله عنه- فعهد إليه أبو بكر الصديق -رضى الله عنه- بعد ما شاور الناس فيه وأجمعوا على كفاءته وفضله وأنه خير خلف، وبعد وفاة ابى بكر الصديق رضى الله عنه بايع المسلمون عامة بيده -رضى الله عنه-(٥٩).

وسمى عمر -رضى الله عنه- عليا وعثمان والزبير وطلحة وسعدا وعبد الرحمن -رضى الله عنهم أجمعين- وقال يشهد كم عبد الله بن عمر -رضى الله عنه- وليس له من الأمر شيء وبعد وفاة عمر بن الخطاب -رضى الله عنه- دام الحوار ثلاثة أيام وأجمعوا على خلافة عثمان رضى الله عنه فبايعوه(٦٠)

وبعد شهادة عثمان -رضى الله عنه- اجتمع كبار الصحابة وبايعوا بيد على -رضى الله عنه- وتابعهم على ذلك كثير من الصحابة -رضى الله عنه-.

هذا ومن المهام المنوطة بأهل الحل والعقد في نصب الإمام هو التمييز بين الذين يتقدمون للإمامة وتنوفر فيهم شروطها فإذا تكافأ في شروطها اثنان فاكثر قدم واحد بأسباب من الترجيح وهذه الأسباب قد تكون زيادة السن أو العلم أو الشجاعة فالحق أن يراعى في مجموع ذلك مراعاة الوقت والزمن. والحق أن الذى اختاره أهل الحل والعقد فهو الذى يجب إطاعته وهذا هو الأنفع لتوحيد كلمة المسلمين.

٥. **نصح الحاكم الإمام:** قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم- الدين النصيحة قلنا لمن

قالنا لله وكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم.(٦١)

والنصيحة معناها إرادة الخير للمنصوح له. قال النووي وأما النصيحة لأئمة المسلمين فمعاونتهم على الحق وطاعتهم فيه وأمرهم به وتنبيههم وتذكيرهم برفق ولطف وإعلامهم بما غفلوا عنه ولم يبلغهم عن حقوق المسلمين وترك الخروج عليهم وتأليف قلوب الناس لطاعتهم.(٦٢)

٦. **عزل الحاكم عن الحكم:** أهل الحل والعقدهم الذين يقومون بعقد الإمامة للإمام الحاكم فإن طرأ أي حدث على الإمام المنصوب فالذي يعلن عزله ويستبدله بغيره هم هؤلاء الفئة من الناس مثلا طرأ على الإمام الحاكم جنون، أو مرض مفند لا يرجي يرء ه او وقع في أيدي الأعداء ولا يرجى له فكاك أو ارتد عن الدين -والعياذ بالله-.

فعلى أهل الحل والعقد أن يقوموا بدراسة الجوانب الإيجابيه والسلبيه لما يريدون من عزل الإمام وإذا اطمنت هذه الجماعة على عزله فلهم أن يفعلوا ذلك والمستند في هذا الباب هو حديث رواه عبادة بن الصامت -رضى الله عنه- قال بايعنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم- على السمع والطاعة في منشطنا ومكرهنا وعسرنا ويسرنا وأثرة علينا وأن لا ننازع الأمر أهله إلا أن تروا كفرا بواحا عندكم من الله فيه برهان(٦٣)

وهكذا عن عوف بن مالك رضى الله عنه عن النبى -صلى الله عليه وسلم - قال خيا ر أئمتكم الذين تحبونهم ويحبولكم ويصلون عليكم وتصلون عليهم وشرار أئمتكم الذين تبغضونهم ويبغضونكم وتلعنونهم ويلعنونكم قيل يا رسول الله أفلاننا بذهم بالسيف؟ قال لا ما أقاموا فيكم الصلاة(٦٤)

هذا وأجمع علماء الأمة على أن الإمام يعزل بالكفر البواح وأما الفسق وارتكاب المعاصى فجماهير أهل السنة من الفقهاء والمحدثين والمتكلمين قالوا: لا ينعزل بالفسق والظلم

وتعطيل الحقوق ولا يخلع ولا يجوز الخروج عليه بل يجب وعظه وتخويفه(٦٥)

ومع ذلك يجب على أهل الحل والعقد نصيحتهم وتذكيرهم وكلمة الحق أمامهم لان فيها مصلحة كما أن عدم الخروج لمصلحة.

خلاصة البحث

إن الإسلام دين جماعي كما أنه دين الأفراد أيضا. والإسلام قدم الأصول والقواعد لبناء مجتمع اسلامي يسود فيه العدل بين الناس وأن يجد فيه كل صاحب حق حقه. والأصول لتوحيد الأمة وجمع كلمتهم والحماية لبيضتهم، ومن هذه الأصول أصول الشورى وأهل الحل والعقد فإن الله تعالى أمر بالمشورة وقال: ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ وقال ايضا (وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ) وكان الرسول اللّٰه -صلى الله عليه وسلم- يستشير الصحابة في كل حادثة ونائبة وهكذا كان الخلفاء الراشدون بعده -صلى الله عليه وسلم- على نفس المنهاج وعين الطريق.

فالمقصود أن الدولة الإسلامية لا بد أن يكون قوامها على جماعة من أهل العلم والذكاء والخبرة والعلم بشؤن الناس وأحوالهم وظروفهم تكون عندها كفاءة للمشورة في أمور المسلمين ، وهى جماعة أهل الحل والعقد أما تعينهم من بين الناس كلهم فالطريق المرغوب فيه في هذا الزمن هو الإنتخاب ويمكن أن يكون بأساليب أحسن منه، وذلك لتقوم هذه الهيئة بمسؤليتها وظيفتها إزاء الأمة والإمام والبحث عما فيه خير الأمة وتكون هذه الهيئة أقوى جماعة حتى يكون بيده نصب الإمام إن وجد الفراع بموته أو عزله أوغير ذلك وكذلك عزله إن كانت الحاجة ماسة إليه وذكر الباحث في هذا المقال كل شيء في ضوء نصوص من القرآن والسنة مع الإفادة بكتب أعلام الأمة وفقهاء ها . والله الموفق.

الهوامش

١. لسان العرب مادة: ع ق د (٣/٢٩٦).

٢. القاموس المحيط، مادة: حل (ص: ١٢٧٥)

٣. الفقه الإسلامي وأدلته (٦/٦٨٥)

٤. الإمامة العظمى عند اهل السنة والجماعة، ص: ١٦٢.

٥. نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج (٧/٣٩٠)

٦. انظر أصول الدين للبغدادي، ص: ٢٨١.

٧. هذا المعنى ذكره الدكتور عبد الله بن إبراهيم الطريقي في كتابه "أهل الحل والعقد"، من غير ذكر المرجع والمصدر انظر، ص: ٢٩.

٨. انظر: التمهيد للبا قلاني.

٩. النساء: ٥٩.

١٠. انظر غرائب الفرقان بهامش التفيسر الطبرى (٥/٨١) الطبعة الأولى.

١١. تفسير المنار: ٥/١٨١.

١٢. انظر الخلافة، ص: ١٨.

١٣. آل عمران: ١٥٩.

١٤. الشورى:٣٨.

١٥. المحرر الوجيز، (٣/٢٨٠)

١٦. انظر القرطبي (٤/٢٥٠)

١٧. الأذكار، ص: ٣٩٣. الطبعة الأولى ١٤١٢هـ.

١٨. أحكام القرآن، (٢/٤١)

١٩. آل عمران: ١٠٤.

٢٠. ابن كثير تفسير، القرآن العظيم (١/٣٩٨)

٢١. تفسير المنار (٤/٤٥)

٢٢. تفسير المنار، ص:٤/٤٦.

٢٣. النساء: ٨٣.

٢٤. رواه مسلم كتاب الإيمان الحديث رقم: ٩٥، والترمذى في سننه كتاب البر والصلة باب ١٧ وقال حسن صحيح.

٢٥. متفق عليه: صحيح البخارى باب ٤٣ الدين النصيحة ورقم الحديث ٥٥، ومسلم كتاب الإيمان رقم الحديث ٩٧.

٢٦. المحصول (٢/٢٠)

٢٧. النساء: ١٤١.

٢٨. انظر أحكام أهل الذمه لابن القيم تحقيق د/صبحي الصالح (٢/٤١٤)

٢٩. رواه أحمد (١/١١٨) عن علي رضي الله عنه. وعائشة رضي الله عنها. والترمذي، باب ما جاء فيمن لا يجب عليه الحد والنسائي في "ومن لايقع طلاقه" والبيهقى في الكبرى (٣/٨٣)

٣٠. التقريب متن تدريب الراوي (١/٣٠١)

٣١. الطلاق: ٣٠

٣٢. الأحكام السلطانية، ص: ٦ وانظر الأحكام السلطانية لأبي يعلى الفراء، ص: ١٩.

٣٣. غياث الأمم، ص: ٥٠.

٣٤. الإمامة العظمى عند أهل السنة والجماعة، ص: ١٦٧.

٣٥. الأحكام السلطانية، ص: ٦.

٣٦. النساء: ٣٤.

٣٧. بخارى كتاب الفتن. باب الفتنة التي تموج كموج البرح ورقم الحديث ٧٠٥٧ وباب كتاب النبي صلى الله إلى كسرى وقيصر ورقم الحديث ٤٠٧٣.

٣٨. غياث الأمم، ص: ٦٢.

٣٩. البخاري باب الشروط في الجهاد ورقم الحديث: ٢٧٣١.٢٨٧١. وأخرجه أحمد: في المنزل

٣٣٠/٤) ومصنف ابن ابى شيبة ٥١٦/٨).

٤٠. غياث الأمم، صد ٤٩.

٤١. المغنى في أبواب التوحيد والعدل (٦٨/٢٠)

٤٢. الأحكام السلطانية ، ص: ١٩ .

٤٣. الفصل في الملل والنحل ٦٦٨/٤١

٤٤. من أصول الفكر السياسي الإسلامي ، ص: ٣٨٨، محمد فتحى عثمان.

٤٥. أخرجه الإمام أحمد في المسند (٤٦٢/٣، والطبرانى في المعجم الكبير (٨٩/١٩) انظر مجمع الزوائد(٤٥.٤٢/٦)

٤٦. نظام الحكم في الإسلام ص: ١٣٠ .

٤٧. النساء: ٨٧.

٤٨. مفاتيح الغيب للفخر الرازى (١٥٤/١٠)

٤٩. لباب التاويل في معانى التنزيل للخازن (٣٨٢/١)

٥٠. آل عمران: ١١٠ .

٥١. فتح القدير: (٣٦٩/١)

٥٢. آل عمران: ١٠٤ .

٥٣. تفسير القرآن العظيم (٣٩٨/١)

٥٤. الحجرات: ٩، ١٠ .

٥٥. الفتح: ١٠ .

٥٦. مسلم كتاب الإمارة الحديث رقم: ٥٨.

٥٧. متفق عليه صحيح البخارى كتاب الفتن باب ٢، ومسلم كتاب الإمارة ورقم الحديث ٤١ـ٤٢.

٥٨. انظر للتفصيل فتح البارى (٢٠/٧)

٥٩. الطبرى، تاريخ الأمم والملوك (٤٢٨/٣)

٦٠. المرجع السابق.

٦١. صحيح كتاب الإيمان ، الحديث رقم ٥٥.

٦٢. شرح مسلم للنوي (٣٨/٢)

٦٣. مسلم كتاب الإمارة ، الحديث رقم ٤٢، وبخاري كتاب الفتن باب ٢.

٦٤. مسلم كتاب الإمارة رقم ٦٥.

٦٥. انظر شرح مسلم (٢٢٩/١٢)

المصادر والمراجع

١. القرآن الحكيم.

٢. صحيح البخارى ، للإمام محمد بن اسماعيل البخارى، المطبوع على متن فتح البارى، المكتبة السلفية.

٣. صحيح مسلم، للإمام مسلم بن الحجاج القشيرى النيسابورى المطبوع على متن شرح النووى ، ط اولى ١٣٧٤ه دار احياء الكتب العربية، القاهرة.

٤. سنن أبى داؤد، لسليمان بن أشعث السجستانى على متن بذل المجهور ملشيخ خليل أحمد السهارنفورى ، طبع دارالفكر، بيروت.

٥. سنن النسائى ، طبع نور محمد المطابع كراتشى، باكستان.

٦. السنن الكبرى بيهقى للإم أحمد بن الحسين بن على البيهقى ، دار الفكر ، بيروت. لبنان.

٧. مسند أحمد، للإمام أحمد بن محمد بن حنبل، دار صادر بيروت. لبنان.

٨. المصنف للإمام عبد الله بن محمد بن ابى شيبة طبع دارالسلفية، بومباتى الهند.

٩. فتح البارى شرح صحيح البخارى للعلامة الحافظ ابن حجر العسقلانى، المكتبة السلفية،.

١٠. تفسير القرآن العظيم لأبى الفداء الحافظ ابن كثير، دار الفكر العربى، بيروت.

١١. تفسير القرآن العظيم لأبى الغداء الحافظ ابن كثير، دار الفكر العربى، بيروت.

١٢. تفسير السنن للعلامة النسفى، إدارة القرآن ، كراتشى. باكستان.

١٣. أحكام القرآن لأحمد بن على بن أبى بكر الرازى المعروف بالجصاص ، دار الكتاب العربى، بيروت . لبنان.

١٤. تفسير القرآن الحكيم الشهر بتفسير المنار لمحمد رشيد رضا، الطبعة الثانية، القاهرة.

١٥. غرائب الفرقان، للنيسابورى، دار الكتب لبنان.

١٦. المغنى في أبواب التوحيد والعدل للقاضى عبد الجبار المعتزلى، الدار المصرية للتأليف

والترجمة، القاهرة.

١٧. الأحكام السلطانية ، لعلى بن محمد المادورى، طبع مصطفىٰ البابى الحلبى، القاهرة.

١٨. أصول الفكر العباس الإسلامى، محمد فتحى عثمان.

١٩. مجمع الزوايد ومنبع الفوائد للحافظ نور الدين الهيثمى ، دار الكتاب العربى، بيروت.

٢٠. نظام الحكم في الإسلام د/ محمد فاروق النبهان، مطبوعات جامعة الكويت، دار السياسة.

٢١. مفاتيح الغيب للإمام فخر الدين الرازى، دار احياء التراث العربى، بيروت. لبنان.

٢٢. لباب التأويل للخازن، دارالكتب ، بيروت.

٢٣. فتح القدير، للشوكانى، دار إحياء التراث العربى، بيروت. لبنان.

٢٤. تاريخ الأمم والملوك للإام ابن جرير الطبرى، دار المعارف. القاهرة.

٢٥. لسان العرب لجمال الدين محمد بن مكرم بن منظور، دار صادر ، بيروت. لبنان.

٢٦. القاموس المحيط لمجد الدين محمد بن يعقوب الفيروز آباد، دار الجيل ، بيروت. لبنان.

٢٧. الإمام العظمى عند اهل السنة الجماعة عبد الله بن عمر بن سليمان الديجى دار طيبة للنشر والتوزيع.

٢٨. أصول الدين عبد القاهر بن طاهر التميمى البغدادى، دار الكتب العلمية، بيروت. لبنان.

٢٩. أهل الحل والعقد، الدكتور عبد الله بن ابراهيم الطريفى، مطبوعات رابطة العالم الإسلامى، مكة المكرمة.

٣٠. التمهيد، للباقلانى، مصطفى البابى الحلبى، مصر.

٣١. الخلافة ، أو الإمام العظمى لمحمد رشيد رضا، مطبعة المنار، القاهرة.

٣٢. المحرر الوجيز عبد الحق بن الغالب المعروف بابن عطية، دارالفكر، بيروت.

٣٣. المحصول للإمام فخر الدين الرازى، مصطفى الحلبى البابى، القاهرة. مصر.

٣٤. أحكام أه لالذمة لابن القيم تحقيق د/ صبحى الصالح ، دار العلم للاملايين ، بيروت. لبنان.

٣٥. التغريب للإمام النووى المطبوع مع شرح تدريب الرازى السيوطى، المكتبة السلفية.

غَـــزْوَةُ بَـــدرٍ : فِـــقْـــهٌ وَ دَلَالَاتٌ

الدكتور عصمت الله زاهد *

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين، وبعد:

فهذا البحث يتناول موضوع غزوة بدر : فقه ودلالات، فهو يشتمل على مقدمة وفصلين:

أما المقدمة فهي لبيان مفهوم الغزوة وأقسامها، وعدد الغزوات النبوية، وغيرها من التفاصيل.

وأما الفصلان: فالفصل الأول: منهما لذكر أحداثها ووقائعها موثقة من مصادرها

والفصل الثاني: في بيان فقه الأحداث واستنباط الدروس والعبر منها نستنبط فقهها ونبين دروسها وعظاتها، بإيجاز من الكلام وفي ضوء كتاب الله تعالىٰ وسنة رسوله -صلى الله عليه وسلم- نسأل الله سبحانه وتعالى بوجهه الكريم وسلطانه العظيم أن يوفقنا ويقبل منا صالح أعمالنا إنه ولي ذلك والقادر عليه وهو المولى المستعان، فنعم المولى ونعم المعين.

☆ الأستاذ المساعد، مجمع البحوث الإسلامية، الجامعة الإسلامية العالمية، إسلام آباد.

المقدمة:

مفـــهـــوم الغـــزوة

فـي الـلـغة هي المـرة الواحدة من الغزو وهو الإرادة والطلب والقصد والسير إلى قتال الـعـدو وانتهـابهـم غـزوا وغـزوانـا وغزاة وغزاوة وهو غـاز والجمع غزى مثل حـجيج، وغُـزّاء مثل فساق، وغزاة مثل قضاة، وغُزّ مثل الركع والسجد قال اللّه تعالىٰ:

﴿ يَاأَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَامَا تُوْا وَمَا قُتِلُوْا. لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ. وَاللّٰهُ يُحْيِ وَ يُمِيْتُ. وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْر﴾(١)

وأغزاه: حـمله على الغزو أو البعث إليه. وأعطاه دابة يغزو عليها ومغزى الكلام: مقصده

والـمغزى والمغزاة والمغازي: مواضع الغزو، وقد تكون الغزو نفسه، ومناقبهم، وغزواته.

والمغزية: التي غزا زوجها وبقيت وحدها في البيت.

وناقة مُغْزِيَة: زادت على السنة شهرا في الحمل.

ومـغـزى الـكـلام وخلاصة ما سبق في المعني اللغوي هو ما قال أحمد بن فارس: الغين والزاء والحرف المعتل أصلان صحيحان:

أحدهما: طلب شيء

والآخر في باب اللقاح.

فالأول الغزو، ويقال: غزوت أغزو. والغازي الطالب لذلك.(٢)

أما في الاصطلاح فتطلق كلمة الغزوة ويرادبها: ما وقع من القتال مع الكفار وشارك فيه النبي -صلى الله عليه وسلم- بنفسه سواء قاتل أولم يقاتل(٣).

أقسام الغزوات النبوية

أما أقسام الغزوات النبوية فهي أربعة عندنا بتقسيمين اثنين:

التقسيم الأول: بالنظر إلى مشاركة النبيصلى الله عليه وسلممن عدمها

تنقسم الغزوات إلى قسمين:

١. **الغزوات**: وهي التي شارك فيها الرسول صلى الله عليه وسلم بنفسه. وسبق تعريفها

٢. **السرايا**:وهي الكتائب والجيوش التى بعثها وكلفها الرسول صلى الله عليه وسلم همة ولم يشارك فيها بنفسه.(٤)

التقسيم الثاني: بالنظر إلى زمن وقوعها تنقسم إلى قسمين أيضا:

١. الغزوات الناجزة وهي التي حدثت وتم وقوعها في عهد الرسول صلى الله عليه وسلم وفي حياته.

٢. الغزوات الموعودة وهي التي لم تقع في عهد الرسول الله -صلى الله عليه وسلم - وتنبأ أو وعد أو بشر بها الرسول صلىالله عليه وسلم ، وقد وقع بعضها ويقع البعض الآخر قبل يوم القيامة.

عدد الغزوات النبوية

وقد عد أهل العلم بالسير والمغازي والسنة النبوية غزوات الرسول -صلى الله عليه وسلم - فبلغت سبعا وعشرين غزوة، قاتل منها في تسع فقط، وبعث - صلى الله عليه وسلم- إلى الغزو حوالى سبعين مرة في سرايا مكلفة إما بمهمة قتالية أو مهمة دعوية أو كليهما وهي معظمها، يؤمر عليهم واحدا منهم.(٥)

وفيمايلى سنسلّط الأضواء على غزوة هامة فى التاريخ الإسلامى فهى:

غزوة بدر

ويكون كلامنا عن غزوة بدر فى خمس نقاط:

١. التسمية ٢. الموقع

٣. عدد المشاركين ٤. أحداث الغزوة

٥. دروس وعبر

١. **التسمية:** وتسمى بدراً الكبرى، والعظمى، والثانية، والقتال. سميت بـ"بئربدر" باسم حافرها بدر بن الحارث.(٦)

وسماها القرآن الكريم "يوم الفرقان" بقول الله تعالى: ﴿وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَىْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ. وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (٧)

وذلك لأنها أول وقعة عظيمة بين المسلمين والكفار فرق الله فيها بين الحق والباطل وأعزّ الإسلام وأهله وأذلّ الكفر والشرك وأهله.

٢. **الموقع**: وموقع غزوة بدر المكاني هو "بدر" كان بئرا باسم حافرها ثم صارت الآن بلدة(٨) بأسفل وادي الصفراء على بعد ١٥٥ كيلو متر من المدينة المنورة و ٣١٠ كيلو متر من مكة المكرمة، و ٤٥ كيلومتر من سيف البحر.

أما موقعها الزمني: فكانت الوقعة يوم الجمعة السابع عشر من شهر رمضان المبارك عام ٢هـ.(٩)

ووصف عبد اللّه بن مسعود -رضي اللّه عنه- جوّ يوم الغزوة قائلاً: أقسم بالله لقد رَأيتهم صرعى على بدر قد غيرتهم الشمس وكان يوماً حارًّا.(١٠)

٣. **عدد المشاركين**: وكانت عدة المسلمين في تلك الغزوة كما ورد في حديث البراء بن عازبٍ قال: كنا نتحدّث أن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كانوا بدر ثلاث مائة وبضعة عشر على عدة أصحاب طالوت من جاز معه النهر وما جاز معه إلا مؤمن.(١١)

والأنصار منهم مائتان وأربعون ونيفا، والمهاجرون ستون ونيفا، معهم فرسان وسبعون بعيرا من الإبل يعتقب الرجلان والثلاثة على بعير واحد.(١٢)

أما عدد الأعداء، كفار مكة والمشركين، فهم ألف رجل، ومعهم مائة فرس وسبعمائة بعير.(١٣)

الفصل الأول:

أحداث الغزوة

كان هدف معظم البعوث والسرايا النبوية التي كانت قبل بدر هو تهديد تجارة قريش بالتعرض لطريقها التي تمر بقرب المدينة المنورة ولكن لم يقع قتال إلا في القليل

منها.

وكان الرسول الله -صلى الله عليه وسلم - يهتم ببث العيون لاستخبار العدو وتجارتهم، حتى بلغه في رمضان من السنة الثانية أن عيرا مقبلة من الشام صحبة أبي سفيان يحرسها حوالي أربعين رجلاً وهي عير عظيمة تحمل أموالا قدرت بخمسين ألف دينار لقريش.(١٤)

فبعث رجلين هما بسبس بن عمرو وعدي بن أبي الزغباء الجهنيان أو سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل، ابن عم وصهر عمر بن الخطاب، وطلحة بن عبيد الله رضي الله عنهم أجمعين إلى الحور ان على طريق الساحل التجارى لقريش، يتحسسان أخبار العير.(١٥)

وبلغ رسول الله خبرُ العير فخرج -صلى الله عليه وسلم- هو وأصحابه للقائه ورجعا يريدان المدينة ولم يعلما بخروج النبي -صلى الله عليه وسلم- فقدما يوم وقعة بدر، صبيحة يوم الجمعة ١٧ عام ٢هـ فخرجا يعترضان رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فلقياه منصرفا من بدر فضرب لهما بسهامها وأجورهما فكانا كمن شهدها.(١٦)

وضرب بعسكره قبل أن يخرج من المدينة ببئر أبى عنبة.(١٧)

وعرض أصحابه ورد من استصغر منهم: البَرَاءُ بن عَازِبٍ وابْنُ عُمَرَ وعمير بن أبى وقاص أخو سعد بن أبى وقاص ورافع بن خديج وزيد بن ثابت وأسيد بن حضير رضى الله عنهم. وكان عمير يتوارى خشية أن يراه رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فيستصغره ويرده فعرض عليه -صلى الله عليه وسلم- فاستصغره فقال: ارجع فبكى بكاء شديدا فأجازه رسول الله -صلى الله عليه وسلم- قال سعد: فكنت أعقد له حمائل

سيفه من صغره فاستشهد وهو ابن ست عشرة سنة.(١٨)

وقال ابن عمر -رضي الله عنه- إذ استصغره يوم بدر: ما أتت على ليلة قط مثلها من السهر والحزن والبكاء إذ لم يقبلني رسول الله فلما كان من العام القابل عرضت عليه فقبلني فحمدت الله على ذلك.(١٩)

واستأذنه أبو أحمد عبد بن جحش وابن أم مكتوم الأعميان -رضى الله عنهما- فنزل القرآن وأذن لهما.(٢٠)

ورد حذيفة بن اليمان ووالده -رضى الله عنهما- لأنهما وعدا كفار قريش بعدم حضور القتال معه فقال: انصرفا نفى لهم بعدهم ونستعين الله عليهم.(٢١)

ولم يعزم الخروج للجميع، ولم يسمح لغير المسلمين أن يخرجوا.(٢٢)

فخرج ولم يحتفل لها احتفالا كثيرا إلا أنه خرج في ثلاثمائة وبضعة عشر رجلا لثمان خلون من رمضان واستخلف على المدينة وعلى الصلاة ابن أم مكتوم.

فلما كان بالروحاء(٢٣) رد أبا لبابة بن عبد المنذر -رضى الله عنه- واستعمله على المدينة المنورة.

ولم يكن معه سوى فرسين وسبعين بعيرا يعتقب الرجلان والثلاثة فأكثر على البعير الواحد، فكان رسول الله -صلى الله عليه وسلم- وعلى بن أبى طالب ومرثد بن أبي مرثد الغنوي -رضي الله عنهم- يعتقبون بعيرا فأرادا أن يؤثراه على أنفسهما فيقول: ما أنتما بأقوى على المشي مني وما أنا بأغنى عن الأجر منكما.(٢٤)

ودفع -صلى الله عليه وسلم- اللواء إلى مصعب بن عمير والراية الواحدة إلى علي بن أبي طالب والراية الأخرى إلى رجل من الأنصار وكانت راية الأنصار بيد سعد

بن معاذ وجعل على الساقة قيس بن أبى صعصعة -رضي الله عنهم أجمعين-.

وسار -صلى الله عليه وسلم- فلمّا قرب من الصفراء(٢٥) بعث مرة أخرى، نفس الرجلين بسبس بن عمرو وعدي بن أبي الزغباء الجهنيين إلى بدر يتجسسان أخبار العير.

وأشرف على الصفراء فسأل عن أسماء جبليها؟ فقالوا: مسلح ومخرئ.

وسأل عن أهلهما، فقيل: بنو النار وبنو حراق، فكره المرور بينهما وتفاءل بأسمائهما وأسماء أهلهما فتركهما والصفراء بيسار وسار حتى نزل على وادي ذفران.(٢٦)

ونزل بسبس بن عمرو وعدي بن أبى الزغباء الجهنيان بدرا فتسمعا من جاريتين أن العير ترد غدا أو بعده وصدقهما مجدي بن عمرو فرجعا إلى الرسول الله -صلى الله عليه وسلم- بذفران وأخبراه بالأخبار.

وتقدمّ أبو سفيان العير حذراً حتى ورد الماء فقال لمجدي: هل أحسست أحدا؟ قال: إلا أني قدر رأيت راكبين أنا خا ثم استقيا ثم انطلقا فأتى أبو سفيان مناخهما فعرف من نوى أبعار بعيريهما أنه علائف يثرب فأسرع أن ضرب وجه عيره عن الطريق فساحل ونجابها. واستأجر ضمضم ابن عمرو الغفاري مستصرخا لِقريش ليمنعوا عيرهم فنهضوا مسرعين وأوعبوا فى الخروج ولم يتخلف من أشرافهم أحد سوى أبي لهب فإنه عوض عنه رجلا كان له عليه دين، ولم يتخلف عنهم أحد من بطون قريش إلا بنو عدي فلم يخرج معهم منهم أحد.

وخرجوا من ديارهم كما حكى الله عزوجل عنهم: ﴿ بَطَرًا وَرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ . وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ﴾(٢٧)

وعندما رأى أبو سفيان أنه قد نجا بالعير بعث الى قريش يعلمهم ويأمرهم أن يرجعوا فأبى أبو جهل وكيف لا يأبى وقد بدت له ولأمثاله أهداف جديدة طالما حلموا بها وإن لم يكونوا قد خرجوا لها في بداية الأمر فالفرصة سانحة ولا بد أن يستغلوها وقال: واللّه لا نرجع حتى نردماء بدر ونقيم عليها ثلاثا ونشرب الخمر وتضرب على رؤوسنا القيان فتهابنا العرب أبداً".

فبدا التخاذل ورجع الأخنس بن شريق بقومه بني زهرة قاطبة وهم بالجحفة شرق رابغ، وقال: إنما خرجتم لتمنعوا عيركم وقد نجت.

ولما علم الرّسول -صلى اللّه عليه وسلم - بخروج قريش للقتال استشار أصحابه -رضي اللّه عنهم - فتكلّم أبو بكر ثم عمر فكثير من المهاجرين فأحسنوا فأعرض ثم استشارهم يريد الأنصار فبادر سعد بن معاد -رضى اللّه تعالى عنه- فقال: يا رسول اللّه كأنك تعرض بنا فو اللّه يا رسول اللّه لو استعرضت بنا البحر لخضناه معك فسر بنا يا رسول اللّه على بركة الله. وقال المقداد بن الأسود: لا نقول كما قال قوم موسى اذهب أنت وربك فقاتلا ولكنا نقاتل عن يمينك وعن شمالك وبين يديك وخلفك فأشرق وجه النبي -صلى اللّه عليه وسلم- وسرّ بذلك.(٢٨)

فندب رسول اللّه -صلى اللّه عليه وسلم- فانطلقوا حتى نزلوا بدراً. وركب -صلى اللّه عليه وسلم- مع رجل مستخبرا ثم بعث عليا وسعدا والزبير فأسروا عبدين لقريش فسألوهما: لمن أنتما فقالا نحن سقاة لقريش فكرهوا ذلك وودوا أن لو كانا للعير ليفوزوا به دون النفير فجعلوا يضربونهما فقال رسول اللّه -صلى اللّه عليه وسلم - بعد أن انصرف من صلاته: والذى نفسي بيده إنكم لتضربونهما إذا صدقا وتتركونهما إذا كذبا ثم استجوبهما فقال -صلى اللّه عليه وسلم- : القوم ما بين

التسعمائة إلى الألف.

سبق المشركون إلى بدر ولكن بادر رسول الله -صلى الله عليه وسلم - قريشا إلى أدنى ماء بدر ونزل فقال له الحباب بن المنذر بن عمرو: يا رسول الله! هذا المنزل الذي نزلته أمرك الله به أو منزل نزلته للحرب والمكيدة؟ قال: بل منزل نزلته للحرب والمكيدة. فقال: ليس هذا بمنزل فانهض بنا حتى نأتي أدنى ماء من القوم فننزل ونغور ما وراء نا من العيون ثم نبني عليه حوضا فنشرب ولا يشربون. فاستحسن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- وقبل ذلك منه، وحال الله بين قريش وبين الماء بمطر عظيم أرسله وكان نقمة على الكفار ونعمة على المسلمين مهدلهم الأرض ولبدها وبنى لرسول الله -صلى الله عليه وسلم - عريش يكون فيه ومشى -صلى الله عليه وسلم - في موضع المعركة وجعل يريهم مصارع رؤوس القوم واحدا واحدا ويقول هذا مصرع فلان إن شاء الله وهذا مصرع فلان وهذا مصرع فلان قال عبد الله بن مسعود -رضي الله عنه- فو الذي بعثه بالحق ما أخطا واحد منهم موضعه الذى أشار إليه رسول -الله صلى الله عليه وسلم-.

وكان النبي -صلى الله عليه وسلم - أعلن مسبقاً عن جوائز لمن أسر أسيراً أو قتل أحدا من الكفار، فكان في ذلك تشجيع للمجاهدين ومن عمل مثلهم من الأعمال الحربية فعن ابن عباس -رضي الله عنهما - قال : قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم- يوم بدر: من فعل كذا وكذا فله من النفل كذا وكذا وفي رواية: من قتل قتيلا فله كذا وكذا ومن أسر أسيرا فله كذا وكذا). (٢٩)

وبات رسول الله -صلى الله عليه وسلم- تلك الليلة ليلة الجمعة اليوم السابع عشر من شهر رمضان المبارك من السنة الثانية للهجرة. ١٧/٩/ ٢هـ. يصلي إلى جذم

شجرة هناك ويبكي وأكثر -صلى الله عليه وسلم- من الدعاء يوم بدر فكان دعا حينما خرج إلى بدر فقال: اللهم إنهم حفاة فاحملهم اللهم إنهم عراة فاكسهم اللهم إنهم جياع فأشبعهم(٣٠)، ودعا في الليل وبعد الفجر فكان يدعو ربه عزوجل ويقول: اللهم إنك إن تهلك هذه الفئة لا تعبد" ويقول: اللهم إني أنشدك عهدك ووعدك اللهم إن شئت لم تعبد بعد اليوم" فأخذ أبو بكر بيده فقال: حسبك يا رسول الله فقد ألححت على ربك". ولما رآهم يقبلون نحو المسلمين استقبل القبلة ثم مد يديه فجعل يهتف بربه: اللهم هذه قريش قد أقبلت بخيلائها وفخرها تحادك وتكذب رسولك اللهم إني أسألك ما وعدتني.(٣١)

ويقول: اللهم أنجزلي ما وعدتني اللهم آت ما وعدتني اللّهم إن تهلك هذه العصابة من أهل الإسلام لا تعبد في الأرض فما زال يهتف بربه ماداً يديه مستقبل القبلة واجتهد مشغولا في الدعاء حتى سقط رداؤه عن منكبيه. فأتاه أبو بكر فأخذ رداءه فألقاه على منكبيه ثم التزمه من ورائه وقال: يا نبيّ الله كفاك منا شدتك ربّك فإنه سينجزلك ما وعدك"(٣٢)

فأنزل الله عزوجل: ﴿ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴾(٣٢)

أمّا المسلمون فأصابهم من الليل طشٌّ من مطر فانطلقوا تحت الشجر استظلوا تحتها من المطر فلما أن طلع الفجر نادى: الصلاة عباد الله! "فجاء الناس من تحت الشجر والحجف فصلّى بهم وحرّض على القتال.

وأراد حكيم بن حزام وعتبة بن ربيعة أن يرجعا بقريش ولا يكون قتال. قال علي -رضي الله عنه- : لما دنا القوم منا وصافيناهم إذا رجل منهم على جمل له أحمر

يسير في القوم فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم - يا علي! ناد لي حمزة وكان أقربهم من المشركين. من صاحب الجمل الأحمر وماذا يقول لهم؟ ثم قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم- : إن يكن في القوم أحد يأمر بخير فعسى أن يكون صاحب الجمل الأحمر" فجاء حمزة فقال: هو عتبة بن ربيعة وهو ينهى عن القتال ويقول لهم: ياقوم إني أرى قوما مستميتين لا تصلون إليهم وفيكم خير، يا قوم! اعصبوها اليوم برأسي وقولوا: جبن عتبة بن ربيعة وقد علمتهم أني لست بأجبنكم. فسمع ذلك أبو جهل فقال: أنت تقول هذا ؟ !! والله لو غيرك يقول هذا لأعضضته قد ملأت رئتك جوفك رعبا فقال عتبة: إياى تعير يا مصفر استه ستعلم اليوم أينُا الجبان. (٣٥)

فأبي أصر أبو جهل على القتال وحرّض فنشبت الحرب.

وعدّل رسول الله -صلى الله عليه وسلم - صفوف أصحابه وفي يده قدح يعدل به القوم فمر بسواد بن غزية الأنصاري حليف بني عدي بن النجار -رضى الله عنه- وهو متقدم خارج من الصف فطعنه رسول الله -صلى الله عليه وسلم - في بطنه بالقدح وقال له: استويا سواد بن غزية" قال: يا رسول الله ! أوجعتني وقد بعثك الله بالحق فأقدني" قال: فكشف رسول الله -صلى الله عليه وسلم - عن بطنه ثم قال: استقد "فاعتنقه وقبَّل بطنه فقال -صلى الله عليه وسلم-: ما حملك على هذا يا سواد ؟ فقال: يا رسول الله! قد حضر ما ترى فلم آمن القتل فأردت أن يكون آخر العهد بك أن يمس جلدي جلدك" فدعا له رسول الله -صلى الله عليه وسلم- بخير وقال له خيراً". (٣٦)

وقام سعد بن معاذ وبعض الأنصار يحمون رسول الله -صلى الله عليه وسلم- على باب العريش وخرج ناس من الكفار يطلبون البراز فخرج إليهم من المسلمين أكفاء لهم من بني عمهم ثم حي الوطيس واشتد القتال.

ثم أغفى رسول الله -صلى الله عليه وسلم - إغفاءة ثم رفع رأسه وهو يقول: أبشر يا أبا بكر هذا جبريل على ثناياه النقع". وحمى القتال وقاتل المسلمون قتال الشجعان، وتبين لكافة الناس أنهم المؤمنون الذين كتب الله تعالى في قلوبهم الإيمان فهم لا يوادون "من حاد الله ورسوله ولو كانوا آباءهم أو أبناءهم أو إخوانهم أو عشيرتهم" فهذا عبد الله والد أبي عبيدة بن الجراح يتعرض لأبي عبيدة يوم بدر، وجعل أبو عبيدة يحيد عنه، فلما أكثر الجراح قصده أبو عبيدة، فقتله.(٣٧)

وشهد عبد الرحمن بن أبي بكر الصديق بدرا مع المشركين وكان يومئذ على دين قومه في الشرك ودعا إلى البراز فقام إليه أبوه أبو بكر -رضي الله عنه - ليبارزه فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم- لأبي بكر متعنا بنفسك.(٣٨) وفي رواية: قال عبد الرحمن بن أبي بكر لأبيه: قد رأيتك.... فصدفت عنك فقال أبو بكر: لورأيتك ما صدفت عنك ولم أصفح عنك.(٣٩)

وقال عمر بن الخطاب -رضى الله عنه - : قتلت (يوم بدر) بيدي خالي، العاص بن هشام بن المغيرة وقال له سعيد بن العاص بن سعيد: يا أمير المؤمنين لو قتلت أبي وقد قتله علي بن أبي طالب -رضي الله عنه- كنت على حق وكان على باطل"فتعجب عمر من قوله(٤٠)

أما أمر أبي عزيز بن عمير أخي مصعب بن عمير لأبيه وأمه فأعجب الأمور فقد وقع في يد محرز بن فضلة فقال مصعب لمحرز: أشدد يديك به فإن له أما بمكة كثيرة المال فقال أبو عزيز: هذه وصاتك بي يا أخي؟! فقال: إن محرزا أخي دونك" فبعثت أمه عنه بأربعة آلاف.(٤١)

(رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ

الْمُفْلِحُوْنَ)(٤٢)

وكان الشيطان قد تبدى لقريش في صورة سراقة بن مالك بن جعشم زعيم بني مدلج فأجارهم وزين لهم الذهاب إلى ما هم فيه وذلك أنهم خشوا بني مدلج أن يقصدوا أهاليهم وأموالهم من بعدهم فذلك قوله تعالى: ﴿ وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ . فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ إِنِّيْٓ اَرٰى مَالَا تَرَوْنَ إِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ. وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (٤٣)

وذلك أنه رأى الملائكة حين نزلت للقتال ورأى ما لا قِبَل له به، ففرّ وقاتلت الملائكة كما أمرها الله وكان الرجل من المسلمين يطلب قِرْنَه فإذا به قد سقط أمامه، ومنح الله المسلمين أكتاف المشركين فكان أول من فرمنهم خالد بن الأعلم فأدرك فأسر وتبعهم المسلمون فِي آثارهم يقتلون ويأسرون فقتلوا منهم سبعين وأسروا سبعين وأخذوا غنائمهم.

فكان من جملة من قتل من المشركين ممن سمي رسول الله -صلى الله عليه وسلم- موضعه بالأمس أبو جهل وهو أبو الحكم عمرو بن هشام لعنه الله قتله معاذ بن عمرو بن الجموح ومعوذ بن عفراء -رضي الله عنهما-.

قال عبد الرحمن بن عوف -رضي الله عنه-: بينا أنا واقف في الصف يوم بدر نظرت عن يميني وشمالي فإذا أنا بين غلامين من الأنصار حديثه أسنانهما تمنيت لو كنت بين أضلع منهما فغمزني أحدهما فقال: يا عم! هل تعرف أبا جهل؟ قال: قلت: نعم وما حاجتك إليه يا ابن أخي؟! قال: أخبرت أنه يسب رسول الله -صلى الله عليه وسلم- والذي نفسي بيده لئن رأيته لا يفارق سوادى سواده حتى يموت الأعجل منا" قال

فتعجبت لذلك. فغمزني الآخر فقال مثلها، قال : فلم أنشب أن نظرت إلى أبي جهل يزول في الناس فقلت: ألا تريان؟! هذا صاحبكما الذي تسألان عنه" قال فابتدراه فضرباه بسيفيهما حتى قتلاه ثم انصرفا إلى رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فأخبراه فقال: أيكما قتله؟ فقال كل واحد منهما: أنا قتلت "فقال: هل مسحتما سيفيكما؟ قالا: لا فنظر في السيفين فقال: كلا كما قتله" وقضى بسلبه لمعاذ بن عمرو بن الجموح.(٤٤)

وتمم عليه عبد الله بن مسعود -رضي الله عنه- فاحتز رأسه وأتى به رسول الله -صلى الله عليه وسلم - فسرّ بذلك وعتبة وشيبة ابنا ربيعة والوليد بن عتبة وأمية بن خلف فأمر بهم رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فسحبوا إلى القليب ثم وقف عليهم ليلا فبكتهم وقرعهم وقال بئس عشيرة النبي كنتم لنبيكم كذبتموني وصدقني الناس وخذلتموني ونصرني الناس وأخرجتموني وآواني الناس ثم أقام رسول الله -صلى الله عليه وسلم - بالعرصة ثلاثا ثم ارتحل بالأسارى والمغانم وقد جعل عليها عبد الله بن كعب بن عمرو النجاري وأنزل الله في غزوة بدر سورة الأنفال فلما كان رسول الله -صلى الله عليه وسلم- بالصفراء قسم المغانم كما أمره الله تعالى وأمر بالنضر بن الحارث فضربت عنقه صبرا وذلك لكثرة فساده وأذاه رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فرثته أخته وقيل ابنته قتيلة بقصيدة مشهورة ذكرها ابن هشام فلما بلغت رسول الله -صلى الله عليه وسلم- قال: لو سمعتها قبل أن أقتله لم أقتله" ولما نزل عرق الظبية أمر بعقبة بن أبي معيط فضربت عنقه أيضا صبراً.

ثم إن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- استشار أصحابه في الأسارى ماذا يصنع بهم فأشار عمر بن الخطاب -رضى الله عنه- بأن يقتلوا وأشار أبو بكر -رضى الله

عنه- بالفداء وهوى رسول الله -صلى الله عليه وسلم - ما قال أبو بكر فحلل لهم ذلك وعاتب الله في ذلك بعض المعاتبة في قوله تعالى: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ. تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا. وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ. وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾(٤٥)

وقد روى مسلم في صحيحه عن ابن عباس -رضي الله عنهما- حديثا طويلا فيه بيان هذا كله فجعل رسول الله -صلى الله عليه وسلم - فداء هم أربعمائة أربعمائة. ومن لم يجد فعليه أن يعلم عشرة من أولاد المسلمين.

قال ابن عبّاس: كان ناس من الأسرى يوم بدر لم يكن لهم فداء فجعل رسول الله -صلى الله عليه وسلم - أن يُعَلِّموا أولاد الأنصار الكتابة، فكان بعض الأسرى المعلمين يضربون الأطفال ثأرا وانتقاما لما لحق بهم من الهزيمة يوم بدر.(٤٦)

وقالت عائشة (زوج النبى صلى الله عليه وسلم): لما بعث أهل مكة في فداء أسراهم بعثت زينب في فداء أبي العاص (بن الربيع) بمال وبعثت فيه بقلادة لها كانت عند خديجة أدخلتها بها على أبي العاص (حين بنى عليها) قالت: فلما رآها رسول الله -صلى الله عليه وسلم- رق لها رقة شديدة وقال إن رأيتم أن تطلقوا لها أسيرها وتردوا عليها الذي لها) [فافعلوا] فقالوا نعم [يارسول الله وردّووا عليها الذي لها] وكان رسول الله -صلى الله عليه وسلم - أخذ عليه أو وعده أن يُخَلِّي سبيل زينب إليه وبعث رسول الله -صلى الله عليه وسلم- زيد بن حارثة ورجلا من الأنصار فقال كونا ببطن يأجج حتى تمرّ بكما زينب فتصحباها حتى تأتيابها.(٤٧)

ورجع رسول الله -صلى الله عليه وسلم - الى المدينة مظفرا منصورا قد أعلى الله كلمته ومكن له وأعز جنده ونصر عبده فأسلم حينئذ بشر كثير من أهل المدينة تقية

ومن ثم دخل عبد الله بن أبي بن سلول وجماعته من المنافقين.

وقتل من المسلمين يومئذ أربعة عشر رجلا ستة من المهاجرين وستة من الخزرج واثنان من الأوس وقتل من المشركين سبعون وأسر منهم مثل ذلك أيضا وفرغ . رسول الله -صلى الله عليه وسلم- من شأن بدر والأسرى في شوال عام ٢هـ.

ملحوظة: معظم سياق أحداث هذه الغزوة من "الفصول في سيرة الرسول-صلى الله عليه وسلم - لابن كثير، وما أخذته من غيره فقد أحلت على مصدره في الهامش.

الفصل الثاني:

فقه وعبر و دلالات غزوة بدر

والآن. وقد سقنا أحداث غزوة بدر. حان الأوان أن نستنبط منها الدروس التربوية ، والأحكام الشرعية والتي نعتبرها بمثابة الحكم الذهبية للأمة الإسلامية جمعاء. مستمدين من الله تعالىٰ العون، وهو ولي التوفيق، المستعان.

1. **الصراع بين الحق والباطل:**

إن الصراع بين الحق والباطل، والخير والشر، والإسلام والجاهلية، قديم قدم وجود الإنسان على وجه المعمورة، وأول مواجهة بينهما وقعت في الجنة وكان أبونا آدم عليه السلام يمثل الحق والخير والإسلام لله تعالىٰ ومعه زوجه حواء عليها السلام، وإبليس اللعين الشيطان يمثل الشر والعصيان والجاهلية والطغيان ثم أهبطهم الله سبحانه وتعالىٰ منها إلى الأرض فكانت مجالا وميداناً

للصراع بينهما وبدأت سلسلة الصراع الطويل. وغزوة بدر الكبرى، يوم الفرقان يوم التقى الجمعان، حلقة من هذه السلسلة وامتازت على غيرها بمشاركة الشيطان بنفسه فيها. وهو رأس الكفر والعصيان وقائد الطغيان. وقد ذكر القرآن الكريم شركة الشيطان في غزوة بدر؛ فقال عز من قائل :﴿ وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ . فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ. وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (٤٨)

2. **مشروعية توجيه الضربة للقوة الاقتصادية للعدو تدمير مواردها:**

وثاني دروس هذه الغزوة ومن أهمها هو مشروعية ضرب وإضعاف القوة الاقتصادية للعدو فإن الحروب والخوض فيها تتطلب وتكلف أموالاً كثيرة والدول الضعيفة والمتخلفة اقتصادياً لا تقدر على تحمل أعباء الحروب، وكثيراً ما تنهار نتيجة انهيار اقتصادها، وإن للاقتصاد وقوته لدور كبير في الحروب، فمن الحكمة بمكان، أن توجه الضربة للقوة الاقتصادية للعدو وموارده حتى لا يقدم على خوض الحرب وتكون الهزيمة من نصيبه إذا خاض.

وهذا ما عمله رسول الله -صلى الله عليه وسلم- وأصحابه -رضى الله عنهم- مع العدو، بعد الهجرة إلى المدينة المنورة في غزوة بدر وقبلها، فقد صح تهديد ثمامة بن أثال .رضى الله عنه. الحنفي، رئيس بنى حنيفة ، لقريش بمنع الحنطة والحبوب عنهم والتى كانت تأتيهم من نجد، وذلك لما تعرضوا له أثناء الطواف قائلين: صبوتَ! وكان قد أسلم فقال: ما صبوت ولكنى أسلمت

مع محمّد رسول اللّٰه صلى عليه وسلم ولا والله لا يأتيكم من اليمامة حبة حنطة حتى يأذن فيها النبى صلى اللّٰه عليه وسلم.(٤٩)

ثم خرج إلى اليمامة فمنعهم أن يحملوا إلى مكة شيئا، فكتبت قريش إلى النبى. -صلى اللّٰه عليه وسلم - . : إنك تأمر بصلة الرحم، فكتب إلى ثمامة أن يخلى بينهم وبين الحمل إليهم ففعل، رضى اللّٰه عنه وأرضاه.

ونزل سعد على أمية بن خلف بمكة المكرمة، قبل غزوة بدر فقال لسعد: انتظر حتى إذا انتصف النهار وغفل الناس انطلقت فطفت فبينا سعد يطوف إذا أبو جهل قال: تطوف بالكعبة آمنا وقد آويتم محمداً وأصحابه فقال نعم فتلاحيا بينهما فقال أمية لسعد لا ترفع صوتك على أبى الحكم فإنه سيد أهل الوادى ثم قال سعد واللّٰه لئن منعتنى أن أطوف بالبيت لأقطعن متجرك بالشام قال فجعل أمية يقول لسعد لا ترفع صوتك وجعل يمسكه.(٥٠)

وكلّف رسول اللّٰه -صلى اللّٰه عليه وسلم- عيونه وجواسيسه وسراياه يتعرضون ويرصدون قوافل قريش التجارية حتى علموا عيرا لهم يأتى من الشام، فندب المسلمين إليهم، كأنه حان موعد توجيه الضربة القوية لاقتصادهم فقال: هذه عير قريش، فيها أموالهم، فاخرجوا إليها لعل اللّٰه ينفلكموها فخف بعضهم، وثقل بعضهم، إذ لم يجعل الخروج واجباً، فلم يكن التأهب للقتال، وإنما لأخذ القافلة.

وطارد سرية زيد بن خالد عيراً للمشركين، كانت سلكت الطريق الشرقية بعد أن قطعت الطريق الغربية السهلة القريبة من المدينة المنورة وتوقفت تجارة قريش إلى الشام عن هذه الطريق، فاغتنم المسلمون أموالها.

وفي واقعنا المعاصر أكثر الحروب بين الشعوب والأمم نشبت على المصالح

الاقتصادية. فيجب على المسلمين الذين يلون العدو المحارب القيام بتوجيه الضربة القوية لا قتصاد العدو، كما يجب على سائر المسلمين شعوبا ودولا أفرادا وجماعات ومستهلكين وتجارا، على الأقل- أن لا يدعموا اقتصاد أعداء المسلمين ببيع ما هو بمثابة عصب الحياة لاقتصادهم من النفط وغيره من الثروات المعدنية، وبشراء واستيراد البضائع منهم وباستقدام واستخدام العمالة الوافدة من بلادهم من الكفار دون المسلمين، ولو أوقفت الأمم المستوردة استيراد السلع من الأمم الطاغية لاستطاعت أن تشل حركتها، وهذا ميسور، وباستطاعة كل أمة أن تطبقه خصوصاً مع وجود التنافس بين الدول المصدرة، وقد تحصل الدول بحكمتها عن طريق حسن توظيف الضغوط الاقتصاديّة مالم ولن تستطيع أو تأمل في حصوله عن طريق الحروب والاشتباكات.

3. النصر من عندالله وليس بالعدد والعُدَّة:

ودلّت نتائج غزوة بدر على أن الانتصار في المعارك والحروب ليس بعدد المقاتلين وكثرتهم ولا بسلاحهم إذا الأسلحة وحدّها ونفاذها بمستخدمها، ولو كان النصر بالعدد لانتصر جيش قريش وكانوا ثلاثة أضعاف المسلمين، فالنصر من عند اللّٰه الذي بيده ملكوت كل شيء، قال تعالى: ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلاَّ بُشْرى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ وَمَا النَّصْرُ إِلاَّ مِنْ عِنْدَاللّهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾(٥١). وليست الغزوة أول غزوة ينتصر فيها الليل على الكثير، بل هذا سنة اللّٰه في الصراع بين حزب الرحمن وأولياء الشيطان، قال تعالى حكاية عن القتال بين داودو من معه من المؤمنين وبين جالوت ﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّهِ وَاللّهِ مَعَ الصَّابِرِيْنَ﴾(٥٢).

والأمثلة لذلك كثيرة من التاريخ البشري.

4. **نظام الاستخبارات وبث العيون:**

ومن الدلالات المهمّة النافعة لغزوة بدر هو العناية والاهتمام ببث العيون وتكليف الجواسيس وتنظيم المخابرات العسكريّة لاستطلاع أخبار الأعداء وأحوالهم وتنقلاتهم، وقسم الخابرات من أهم الأقسام العسكرية. والأمر ليس تنظيم المخابرات فحسب بل مارس النبي -صلى الله عليه وسلم- مهمة الاستطلاع بنفسه.

5. **تفويض المهمات وتوزيع المسؤليات:**

وفي قيام الرسل -صلى الله عليه وسلم- بتوزيع الألوية الورايات للقبائل وتفويض الأعمال وإسناد المهمات إلى الأشخاص دلالة واضحة على أهمية التنظيم وفيها قواعد الإدارة البشرية واصولها التي بها يتمكن الأنسان من حسن استخدام المواهب والقدرات الإنسانية كما أن فيها إنجاز الأعمال والمهمات على أحسن وجه، وفيها تأليف وجمع لنزاع القبائل. وقد سبق للرسول -صلى الله عليه وسلم- قبل بعثته أن جمع القبائل المتحاربة بإشراكهم في حمل الحجر الأسود ووضعه في مكانه.

6. **خطورة التنظيم وعظم شان نصب الإمارة:**

وتعيين النبي -صلى الله عليه وسلم -عند خروجه من المدينة المنورة عبدالله بن أم مكتوم للصلاة وأبالبابة أميراً على المدينة يدل دلالة واضحة على أهمية الجانب الاجتماعي، حتى في العبادات، وخطورة الجانب السياسي ويبين

أهمية وجود الأمير في الحضر والسفر والسلم والحرب.

7. **الوفاء بالوعد:**

وفي ردّ الرسول -صلى اللّٰه عليه وسلم- حذيفة بن اليمان ووالده وفاء لوعدهما مع قريش دليل واضح على أهمية الوفاء بالعهد والوعد، وليس التزامه بالاتفاقيات وتقيده بالعهود والمواثيق مرة أو مرتين في حياته وإنما كان هذا ديدنه وخلقه بالاستمرار والدوام ما دام يلتزم الفريق الآخر بها فقد ردّ -صلى اللّٰه عليه وسلم- أبا جندل يوم الحديبية وأبا بصير وأمثالها بعده مع أنه الرؤوف الرحيم بالمؤمنين بشهادة اللّٰه له بقوله تعالى: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَحِيْمٌ﴾(٥٣).

وبغض النظر عن شدة كآبة المسلمن وحزنهم على شروط الصلح في الحديبية، ومع ماسمعوا من صراخ ولهف أبي حينما رده إلى أبيه -وهذا يدل على أهمية الوفاء بالعهد والالتزام بالاتفاقات المبرمة مع الأعداء.

ففي القصة تأكيد الالتزام بالعهود بالاتفاقيات وليكن هذا الوفاء وعدم الغدر سمة بارزة في السياسة والعلاقات الخارجية للدول الإسلامية وبخاصة في علاقاتها مع الدول غير الأسلامية.

8. **الدعوة إلى الإسلام قبل الاستعانة بالكفار في الجهاد:**

الرسول -صلى اللّٰه عليه وسلم- داعية يدعو إلى اللّٰه على بصيرة، فلم ينس وظيفته وهو في سفره للقاء العدو فرد المشرك لذي عرض عليه أن يقاتل المشركين بجانبه فرفض ولم يقبل - مع أن الشرع لم يحرم الاستعانة بهم- والحكمة في هي دعوته إلى الإسلام وترغيبه في اعتناقه، وهذا ماحصل فقد

اعتنق الرجل الإسلام ثم جاهد في سبيل الله، وهذا يدل على أهمية الدعوة إلى الله ومدي اهتمام الرسول -صلى الله عليه وسلم- بها ولأن غزوة بدر أولى الملاحم الإسلامية فأراد الرسول -صلى الله عليه وسلم - أن يبرز صبغتها العقائدية الخالصة ووحدة هدف المقاتلين.

9. الاهتمام بحقوق الأطفال والصغار:

وفي ردّ الرسول -صلى الله عليه وسلم- الأطفال والصّغار وعدم قبوله إيّاهم للقتال في بدر دليل على أن ديننا "الإسلام" ونبيّه محمّداً -صلى الله عليه وسلم- لايحبذ ولا يشجّع مشاركتهم في الحروب وسفك الدماء، إذا هو دين الرحمة والرأفة، والنبي -صلى الله عليه وسلم- رحمة للعالمين، وعدم تجنيد الصغار للقتال سنة نبوية وشريعة إسلامية وهو سبق لتشريع حقوق الأطفال والصغار وحسن مراعاتها في زمن لم يكن الإنسان الغربي يتصور أويسن تشريعات لصيانة حقوق الأطفال والصغار، وهو مقتضى حسن التربيّة لأجيال المستقبل حتى لا يتربوا على حب خوض الحروب الضارية. كما أن فيه دليلاً على إباحة حضورهم القتال وخوضهم غمار الحرب إذا بلغوا سن التمييز وشاركوها طواعية دون إكراهٍ أوإجبار.

10. دور الشباب في الخطب والمهمات:

وفي هؤلاء الصّغار والأطفال في سنّ التمييز من الصحابة الذين شاركوا غزوة بدر برغبة صادقة وإرادة حرة لقدوة حسنة للمؤمنين لامجاهدين في كل زمان ومكان، وفيه دليل على أهميّة دور الأطفال والصغار في الشؤون الاجتماعية في كل من السلم والحرب.

11. **التخلف لأجل العذر:**

وبما أن الإسلام دين الرحمة والفطرة، فخفّف عن المرضى وأهل الأعذار و الاضطرار، ولذا أذن النبي -صلى الله عليه وسلم- لأبي أحمد عبد بن جحش وابن أم مكتوم الأعميين- رضي الله عنهما - وعيّن ابن أم مكتوم -رضي الله عنه-إماماً يصلي بالناس في المسجد النبوي الشريف.

12. **مشاركة القائد ومسابقته جنده في تحمل المشاق:**

ما أروع موقف الرسول الكريم -صلى الله عليه وسلم- وهو شيخ في الخامسة والخمسين من عمره حينما رفض الركوب نزولا على رغبة صحبه منه، ابتغاء للأجر، وما ادعاه من موقف إلى انقياد الجند لأوامر القائد حينما يرونه يسابقهم وينافسهم في ابتغاء رضا المولى سبحانه وتعالى والتطلع إلى ثوبه ويشاركهم مشاركه فعلية لا رمزيّة في تحمّل المشاقّ كذلك. بمثل تلك المواقف يمكن تنشيط وتفعيل جنود وعمّال العمل الإسلامي واستخدامهم لمرضاة الله بكل طواعية.

13. **الشورى في الشئون العسكرية والجهادية:**

الشورى من القيم الإنسانية والاجتماعية التي جاء بها الإسلام ومعنى الشورى ألا ينفرد الإنسان بالرأي وحده في الأمور التي تحتاج إلى مشاركة عقل آخر أو أكثر، فرأي الاثنين أو الجماعة أدنى إلى إدراك الصواب من رأي الواحد.

كما أن التشاور في الأمر يفتح مغاليقه، ويتيح النظر إليه من مختلف زواياه، بمقتضى اختلاف اهتمامات الأفراد، واختلاف مداركهم وثقافتهم؛ وبهذا يكون الحكم على الأمر مبنياً على تصور شامل، ودراسة مستوعبة. فالإنسان

بالشورى إلى عقله عقول الآخرين وإلى علمه علوم الآخرين.

وقد دعا الإسلام إلى الشورى في حياة الفرد، وفي حياة الأسرة، وفي حياة المجتمع والدولة. وعمل الرسول -صلى الله عليه وسلم - يوم بدر وسنته الفعلية حيث استشار أصحابه -رضي الله عنهم - عند الخروج من المدينة المنورة، ثم قبل رأي الحباب بن المنذر في اختيار موقع النزول للجيش، واستشار في شئون الأسرى، كل ذلك يدل بوضوح على عدم استغناء البشر من الاستشارة في جميع الأمور التي لم يرد فيها نص شرعي بصفة عامّة و في شئون الجهاد والقتال وكل مايخص مصير الشعوب والمجتمعات بصفة خاصّة، كائنا من كان.

14. **أدب الطاعة والتسليم لله تعالى ولرسوله صلى الله عليه وسلم:**

وفيه الأدب الرفيع الجم الذي يجب أن يتحلّى به كلّ مسلم ومسلمة، ألا وهو الخضوع والانقياد التامّ لأو امر الله ورسوله، ولو يعلم حكمها وأسرارها واشتراط معرفتها والوصول إلى كنهها قبل إتيانها والإذعان لها يعارض الإيمان فقد سأل الحباب -رضي الله عنه- قبل أن يبدي رأيه قائلا: يارسول الله! أرأيت هذا المنزل، أمنزلاً أنزلكه الله ليس لنا أن نتقدّم ولا نتأخر عنه أم هو الرأي والحرب المكيدة؟ فلما قال له بل هو الرأي والحرب والمكيدة أبدى رأيه، وهذه هي التربية النبوية لأصحابه -رضي الله عنهم- أجمعين، كانوا لا يقدمون بين يدي الله ورسوله كما أكدلهم القرآن الكريم في قوله تعالى ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلاَ مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُوْنَ لَهُمْ الْخَيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبينا﴾(٥٣)

15. **الاستعانة بالخبراء:**

وقبول الرسول -صلى اللّٰه عليه وسلم- رأي الحباب بن المنذر في اختيار المكان لنزول الجيش، يدل على أهمية الاستعانة بالخبراء في تخصصاتهم، والاستفادة من آرائهم وخبراتهم وأن يتقبّل القائد والمسئول ما أبدوه من رأي بصدر رحب.

16. **الدعاء والتضرع إلى اللّٰه تعالى:**

ودعاء النبي -صلى اللّٰه عليه وسلم- وشدّة مناشدة ربه طوال ليلة الجمعة، مع أنه كان موقناً بالنصر ويطمئن أصحابه ويريهم مصارع القوم، هذه هي وظيفة العبودية والنبي -صلى اللّٰه عليه وسلم- أحق وأكثر من اتصف بها فإنها عبداللّٰه، ثم فيه إرشاد وتعليم وأسوة لأمته أن لا يتواكلوا عن العمل أو يتقاعسوا عن اتخاذ الأسباب حسب قدرتهم واستطاعتهم وبعد اتخاذهم الأسباب لا يغتروا بها فإنه لا يترتب عليها المسببات إلاّ بعون اللّٰه وقوته وتوفيقه وقدرته ولا ينال عون اللّٰه بشيء أكثر وأكبر من الدعاء.

ثم الدعاء أقوى سلاح المؤمن وقد أرشد الرسول -صلى اللّٰه عليه وسلم- أمته إلى استخدام هذا السلاح في مثل هذه الظروف العصيبة. وهو أحدّ السلاح وأعملها وأنفذها، ألاتسمع ما يقول اللّٰه سبحانه وتعالى ﴿إِذْ تَسْتَغِيثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلاَئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ﴾(٥٥)

فكان الرسول -صلى اللّٰه عليه وسلم- وأصحابه المؤمنون بدعواتهم يوم بدر في مقام هو منتهى العبوديّة والذلّ والخضوع للّٰه، طرحوا أنفسهم على باب اللّٰه، فلم يكونوا بدعاء بهم أشقياء، فاستجاب لهم فوراً.

17. **البطر والرياء والخمر والغناء:**

وانظر أيها القارىء العزيز بجانب ذلك إلى كبر أبي جهل وغطرسته وتجبّره وشقوته في قوله: لن نرجع عن بدر أبدا حتى ننحر الجزر ونطعم الطعام ونسقي الخمر وتعزف علينا القيان وتسمع بنا العرب وبمسيرتنا وجمعنا فلا يزالون يهابوننا" ثم قارن بين نتائج الموفقين، فسوف تعلم علم اليقين أيهما أحب إلى الله وأقرب إلى النفس السليمة والفطرة المستقيمة، وألذ وأحلى ثمرة.

18. **القود بين القائد وجنوده:**

وفي إقادة النبي -صلى الله عليه وسلم- من نفسه لسواد بن عزيّة الأنصاري -رضي الله عنه-، والظروف غير عاديّة، والزمن "زمن الطوارىء" في التعبير الحديث لدلالات هامّة ذات مغزى، لابد أن نقف وقفة تأتي واعتبار، منها:

☆ أهميّة حقوق العباد أو بتعبير آخر: حقوق الإنسان فهي لا تلغى ولاتمنع ولا تسقط في أي ظرف من الظروف لأنها منحة ربّانيّة وليست هبة إنسانيّة.

☆ للجندي، والفرد العادي من الناس أن يطالب بحقّه من رئيس الدولة والقائد العامّ للجيش، ولو كانت الظروف والأزمنة طارئة غير عاديّة.

☆ ويجب على القائد أو الرئيس أو المسؤل أن ينقاد ويخضع لأنظمة العدل والمساوات لة أمام القانون وليست لهم أيّة حصانة شرعاً، تمنعهم من المثول أمام القضاء.

19. **الجوائز والوسامات للتشجيع:**

وما أجمل من أصل إنساني وقاعدة لإدارة الأفراد وما أحسنه من تشجيع على إنجاز المهمات أن يعلن القائد والأمير مسبقا عن جوائز ووسامات لمن أنجز

مهمة أو عمل ماله نكابة في العدو. ففي إعلان الرسول -صلى الله عليه وسلم- يوم بدر عن الجوائز دليل على مشروعية مثل هذا الإعلان المسبق كما أنه يجوز بل يستحب منح الأوسمة والجوائز بعد القيام بأعمال مهمة وفي كل تحفيز للهمم.

20. **وجود الملائكة وموالاتهم ونصرهم للمؤمنين:**

ولقد شارك الملائكة في القتال يوم بدر إلى جانب المسلمين، وفيه دليل على وجودهم، فهم خلق الله تعالى خلقهم من نور، يفعلون ما يؤمرون،وهم أولياء للمؤمنين ينصرونهم ويوالونهم ويقاتلون أعداء هم.

21. **الولاء للمؤمنين والبراء من المشركين:**

وكان النبي -صلى الله عليه وسلم- وأصحابه الكرام -رضوان الله عليهم -أجمعين باعوا أموالهم وأنفسهم لله وأخلصوا دينهم وولاء هم لله ولرسوله وقطعوا كل الروابط.

24. **الرحمة للبنت وحسن الوفاء للزوجة:**

أما رقة النبي -صلى الله عليه وسلم- عند وؤية قلادة خديجة - رضي الله عنها-فهو رحمة ورأفة لا بنتهازينب وعلى غربتها، ثم هو وفاء لزوجها المتوفاة السيدة خديجة -رضي الله عنها-

25. **حدود التصرف في بيت المال:**

وفي طلبه من الصحابة إعفاء أبي العاص بن الربيع من الفدية تأليف لقلوبهم أولا ثم هو إيذان للأمة جمعاء بأن حكامها ورؤساء ها وأمراء ها لا يملكون

التصرف في بيت المال بمايحقق مصالحه الشخصية، فإن أموال بيت المال ملك للجميع والتصرف في ملك الغير لا يكون إلا بإذنه صاحبه وفي مصالح تعود عليه. والله أعلم.

الهوامش

1. ال عمران:156

2. انظر: معجم مقاييس اللغة 423/4، ولسان العرب 123/15-125 والقاموس المحيط ص:1698 والعين433/4-434 والمغرب 102/2-103، والمصباح المنير 447/2، والفائق في غريب الحديث66/3، والنهاية في غريب الحديث/365-366

3. انظر: فتح الباري 279/7وقواعد الفقه399/1

4. انظر: قواعد الفقه 399/1وفتح الباري281/7

5. النظر: فتح الباري 8/7، 154/281والقوانين الفقهية لابن جزي 269/1-273والطبقات الكبرى لابن سعد6-7/2

6. انظر: الإشارة إلى سيرة المصطفى ومن بعده من الخلفاء ص:197تصنيف: الحافظ مغلطائي بن قليج، تحقيق: محمد نظام الدين الفتيح، ط 1عام1416هـ- 1996م، دار القلم، دمشق، والدار الشامية، بيروت.

7. الأنفال:41

8. انظر: الفصول في سيرة الرسول صلى الله عليه وسلم ص: 128تأليف: الحافظ أبي الفداء إسماعيل بن كثير الدمشقي 701-774هـ تحقيق وتعليق: محمد العيد الخطرواي -محيي الدين مستو، ط6، عام 1413هـ- 1992م، دار التراث، المدينة المنورة، ودار ابن كثيرة، دمشق.

10. أخرجه مسلم، الصحيح، الجهاد والسير، باب ما لقي النبي من أذى المشركين والمنافقين:3351.

11. أخرجه ابن ماجه، السنن، الجهاد، باب السرايا:2818.

12. أخرجه البخاري، عن البراء بن عازب، في الصحيح، المغازي، باب عدة أصحاب بدر: 3662،

3661، 3663، 3664 والإشارة إلى سيرة المصطفى ص: 199، والفصول في سيرة الرسول -صلى الله عليه وسلم- ص:128-129

13. أخرجه مسلم عن عمر بن الخطاب في الصحيح، الجهاد والسير، باب الإمداد بالملائكة يوم بدر:3309و أحمد في المسند عن علي/، مسند علي بن أبي طالب رضي الله عنه: 904وانظر: الإشارة إلى سيرة المصطفى ص:199

14. انظر: المغازي للواقدي200/1وأنساب الأشراف للبلاذري312/1

15. أخرجه مسلم، الصحيح، الأمارة، باب ثبوت الجنة للشهيد: 3520وأحمد، المسند، مسند أنس -رضي الله عنه- 11949 والبداية والنهاية262/3

16. انظر: مسائل الإمام أحمد 80/1والhاكتفاء بما تضمنه من مغازي رسول الله 16/2والدرر103/1وتاريخ خليفة بن خياط 63/1واثقات152/1-153والطبقات الكبرى496/3 ولاستيعاب 614/2-615ترجمة سعيد بن زيد:982و765/2والترتيب الإدارية 361/1-362

17. هي نثر على بريد من المدينة انظر: شرح السيوطي على سنن النسائي.

18. أخرجه البخاري، الصحيح، المغازي، باب عدة أصحاب بدر: 3661وهذا لفظه وأحمد في المسند/ مسند البراء: 18159 وانظر:صفوة الصفوة 394/1الطبقات الكبرى:149/3الإصابة725/4 الترجمة: 6061المستدرك على الصحيحين 208/3معرفة الصحابة، ذكر مناقب عمير بن أبي وقاص:4864.

19. انظر: تاريخ دمشق لابن عساكر 96/31والثقات152/1-153

20. النساء:95والحديث أخرجه الترمذي، السنن، التفسير، باب من سورة النساء: 3032 وقال: هذا حديث حسن غريب.

21. أخرجه مسلم، الصحيح، الجهاد والسير ،باب الوفاء 3343وأحمد في المسند/، مسند حذيفة

بن اليمان -رضي الله عنه-:22265، 22283

22. راجع: مسلم، الصحيح، الجهاد والسير،باب كراهة الاستعانة في الغزو بكافر:1817.

23. تقع على بعد75كيلو متر من المدينة المنورة

24. أخرجه أحمد في المسند411/1عبد الله بن مسعود رضي الله عنه:3807، بسند قال الحاكم: صحيح على شرط المسلم. المستدرك20/3وقال الهيثمي: رواه أحمد والبزار وفيه عاصم بن بعدلة وحديثه حسن، وبقية رجال أحمد رجال الصحيح.ر: مجمع الزوائد69/9

25. وهي قرية تعرف اليوم باسم "الواسطة" وهي وادي الصفراء يقع على بعد 51كيلومتر ويمتد إلى163من المدينة المنورة ويقع في هذا الوادي بلدة المسيجيد والخيف والواسط. انظر: معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية ص:177

26. لا يزال وادي ذفران معرفا بنفس الاسم على طريق الحمراء-ينبع، يأتي الصفيراء أولا ثم ذفران ثم واسط إنظر: معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية ص:131

27. الأنفال:47

28. أخرجه البخاري، الصحيح، المغازي، باب قول الله: إذتستغيثون ربكم:3658

29. أخرجه أبوداؤد، السنن، الجهاد،باب النفل:2737

30. أخرجه أبو داؤد، السنن، الجهاد، باب نفل السرية تخرج من العسكر:2747عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما

31. رواه الطبري في التفسير204/9عن هشام بن عروة

32. أخرجه مسلم، الصحيح، الجهاد والسير، باب الإمداد بالملائكة يوم بدر وإباحة الغنائم:3309عن بن عباس عن عمر رضي الله عنهم

33. الأنفال:9

34. الآية من سورة القمر: 46 والحديث أخرجه البخاري، الصحيح، الجهاد والسير، باب ما قيل

في ردع النبي والقميص في الحرب:2699

35. أخرجه أحمد، المسند، مسند علي بن أبي طالب رضي الله عنه:904

36. انظر القصة في: الإصابة 218/3، وتاريخ الطبري32/2، والسيرة النبوية173/3-174

37. المستدرک على الصحيحن297/3كتاب معرفة الصحابة، ذكر مناقب أبي عبيدة بن الجراح رضي الله عنه:750والطبراني في المعجم الكبير 154/1، قتل أبي عبيدة رضي الله عنه أباه يوم بدر:360 وقال الحافظ الهيثمي في مجمع الزوائد 233/9، المناقب باب مناقب أبي عبيدة بن الجراح رضي الله عنه الحديث: 14909: رواه الطبراني وإسناده منقطع ورجاله ثقات. وحلية الأولياء101/1وسنن البهيقي الكبرى27/9وقال الحافظ ابن حجر في تلخيص الحبير 102/4 الحديث:1859:وهذا معضل وكان الواقدي ينكره ويقول مات والد أبي عبيدة قبل الإسلام.

38. المستدرک للحاكم 539/3الحديث:6004وسنن البهيقي الكبرى 186/8، باب ما يكره لأهل العدل من أن يعمد قتل ذي رحمه

39. انظر: المصنف لابن أبي شيبة، 373/7 وكنز العمال 10/، باب غزوة أحد: 30026 وتلخيص الحبير01/4 المستدرک على الصحيحن539/3الحديث6005

40. انظر: الإصابة 98/3ذكر من اسمه سعيد، الترجمة:3270والاستيعاب622/2والتدوين في قزوين66/1-67والطبقات الكبرى لابن سعد31/5

41. نصب الراية403/3

42. المجادلة:22

43. الأنفال:48

44. أخرجه مسلم، الصحيح،باب استحقاق القائل سلب القتيل:3296

45. الأنفال:67

46. أخرجه أحمد، المسند، مسند ابن عباس رضي الله عنه:2217

47. أخرجه أبو داود، السنن،الجهاد، باب في فداء الأسير بالمال: 2692وما بين القوسين زيادة عند أحمد المسند،مسند عائشة رضي الله عنها:25830

48. الأنفال:48

49. أخرجه مسلم، الصحيح، المغازي،باب وفد بني حنيفة وحديث ثمامة بن أثال: 4034ومسلم، الصحيح،الجهاد والسير، باب ربط الأسير وحبسه وجواز المن عليه:3310

50. أخرجه البخاري، الصحيح، المناقب،باب علامات النبوة في الإسلام: 3360وفي المغازي، باب ذكر النبي من يقتل ببدر:3656

51. آل عمران:126

52. البقرة:249

53. التوبة:128

54. الأحزاب:36

55. الأنفال:9

المصادر والمراجع

1. أحكام القرآن: أحمد بن علي الرازي الجصاص أبوبكر، (305-370هـ) دار إحياء التراث العربي، بيروت، سنة 1405هـ الأجزاء: 5المحقق: محمد الصادق قمحاوي.

2. الاستيعاب في معرفة الأصحاب، يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبد البر(463هـ) دار الجيل، بيروت، 1412هـ الطبعة الأولى، الأجزاء: 4 تحقيق:علي محمد البجاوي

3. الإشارة إلى سيرة المصطفى ومن بعده من الخلفاء ا تصنيف: الحافظ مغلطائي بن قليج، تحقيق: محمد نظام الدين التفيّح، ط 1عام 1416هـ، 1996م، دار القلم، دمشق، والدار الشامية، بيروت.

4. الإصابة في تمييز الصحابة المؤلف: أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي، تحقيق: علي محمد ابابجاووي، دار الجيل-بيروت، الطبعة الأولى، 1412هـ عدد الأجزاء:8.

5. الاكتفاء بما تضمنه من مغازي رسول الله والثلاثة الخلفاء، أبو الربيع سليمان بن موسى الكلاعي الأندلسي، تحقيق: د. محمد كمال الدين عزالدين علي، عالم الكتب -بيروت- 1417هـ الطبعة الأولى عدد الأجزاء: 4.

6. أنساب الأشراف لأحمد بن جابر البلاذري مصدر الكتاب: موقع الوراق:

http://www.alwarraq.com(كتاب مرقم آليا غير موافق للمطبوع)

7. البداية والنهاية للإمام الحافظ ابي الفداء اسماعيل بن كثير الدمشقي المتوفى سنة 774هـ. حققه ودقق أصوله وعلق حواشيه: علي شيري، دار إحياء التراث العربي، طبعة جديدة محققة الطبعة الاولى1408هـ، 1988م.

8. تاريخ خليفة بن خياط لخليفة بن خياط العصفري ت: 240هـ- 854م رواية بقي بن مخلد،

المحقق: حققه وقرم له الاستاذ الدكتور سهيل زكار، دار الفكر للطباعة والنشرو التوزيع، الطبعة: عام 1993م- 1414هـ

9. تاريخ مدينة دمشق وذكر فضلها وتسمية من حلها من الأماثل أو اجتاز بنواحيها من وارديها وأهلها، الامام العالم الحافظ أبي القاسم علي بن الحسن ابن هبة الله بن عبد الله الشافعي المعروف بابن عساكر(499-هـ-571هـ) دارسة وتحقيق: علي شيري، الطبعة الاولى دار الفكر للطابعة والنشر والتوزيع، 1419-هـ-1998م.

10. تاريخ الأمم والملوك ، محمد بن جرير الطبري أبو جعفر -دار الكتب العلمية- بيروت، الطبعة الأولى، 1407هـ، عدد الأجزاء:5

11. التدوين في ذكر أهل العلم بقزوين، الشيخ الامام العلامة أبي القاسم عبد الكريم بن محمد بن الرافعي القزويني (المتوفى: 623): مصدر الكتاب: موقع الوراق http://www.alwarraq.com

عام 1405هـ 1985-م تصحيح: خادم العلماء الشيخ عزيز الله العطاردي الخبوشاني.

12. التراتيب الإدراية لعبد الحي الكتاني الإدريسي الحسني الفاسي، دار الكتاب العربي، بيروت

13. تفسير القرآن العظيم، إسماعيل بن عمر بن كثيرالدمشقي أبو الفداء (774هـ) دار الفكر، بيروت، 1401هـ

14. تلخيص الحبير في أحاديث الرافعي الكبير، أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني، طبعة المدينة المنورة، 1384-1964 تحقيق: السيد عبد الله هاشماليمانى المدني، عدد الأجزاء: 2

15. الثقات لمحمد بن حبان أحمد أبو حاتم التميمي البستي (0-345هـ): دار الفكر، 1395هـ- 1975م الطبعة الأولى، الأجزاء: 9، تحقيق: السيد شرف الدين أحمد

16. جامع البيان عن تأويل آي القرآن، محمد بن جرير بن يزيد بن خالد الطبري أبو جعفر

224-319هـ) دارالفكر، بيروت، 1405هـ الأجزاء: 30

17. حلية الأولياء وطبقات الأصفياء ، أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصبهاني (المتوفى 430هـ) دار الكتاب العربي، بيروت، 1405هـ، الطبعة الرابعة، الأجزاء:10.

18. الدرر في اختصار المغازي والسير تأليف: ابن عبد البر مصدر الكتاب: موقع الوراقhttp://www.alwarraq.com

19. "زهرة الربى على المجتبى: "لجلال الدين السيوطي، مطبوع بذيل سنن النسائي المجتبى الطبعة الأولى، عام 1411هـ 1991-م دار المعرفة، بيروت.

20. سنن الترمذي، المؤلف: محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي (209-279هـ) دار إحياء التراث العربي ، بيروت، الأجزاء: 5تحقيق:أحمد محمد شاكر وآخرون

22. السيرة النبويّة: لعبد الملك بن هشام بن أيوب الحميري المعافري أبو محمد (213هـ) دار الجيل، بيروت، 1411هـ الطبعة الأولى، الأجزاء: 6، تحقيق: طه عبدالرؤف سعد.

23. سنن البيهقي الكبرى: لأحمد بن الحسن بن علي موسى أبو بكر البيهقي (384-458هـ) مكتبة دار الباز، مكة الكمرمة، 1414هـ - 1994م الأجزاء: 10، تحقيق: محمد عبد القادر عطا

24. الصحيح للبخاري: لمحمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي (194-256هـ) دار ابن كثير، اليمامة، بيروت، 1407هـ- 1987م الطبعة الثالثة، الأجزاء: 6، تحقيق: د. مصطفى ديب البغا

25. الصحيح: للإمام مسلم بن الحجاج أبي الحسين القشيري النيسابوري (206-261هـ) دار إحياء التراث العربي، بيروت، الأجزاء: 5تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي

26. صفوة الصفوة عبد الرحمن بن علي بن محمد أبو الفرج (510-597هـ): دار المعرفة،

بيروت، 1399هـ- 1979م الطبعة الثانية، الأجزاء: 4، تحقيق: محمود فاخوري -د.محمد رواس قلعه جي

27. المعجم الكبير المؤلف سليمان بن أحمد بن أيوب أبو القاسم الطبراني (260-360هـ): مكتبة العلوم والحكم، الموصل، 1404هـ - 1083م الطبعة الثانية، الأجزاء: 20،تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفي

28. الطبقات الكبرى لمحمد بن سعد منيع أبو عبد الله البصري الزهري (168-230هـ): دار صادر، بيروت، الأجزاء:9

29. الطبقاب الكبرى (القسم المتمم لتابعي أهل المدينة ومن بعدهم): محمد بن سعد بن منيع الهاشمي أبو عبد الله (168-230هـ) مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة، 1408هـ، الطبعة الثانية، تحقيق: زياد محمد منصور.

30. العين، أبي عبدالرحمن الخليل بن أحمد الفراهيدي (100-175هـ): دار ومكتبة الهلال، عدد الأجزاء:5تحقيق: د. مهدي المخزومي ود. إبراهيم السامرائي.

31. الفائق في غريب الحديث، محمود بن عمر الزمخشري (467-538هـ): دار المعرفة، لبنان، الطبعة الثانية، عدد الأجزاء: 4، تحقيق: علي محمد البجاوي -محمد أبو الفضل إبراهيم.

32. فتح الباري لأحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي (773-852هـ): دار المعرفة، بيروت، 1379هـ الأجزاء: 13تحقيق: محمد فؤاد عبدالباقي، محب الدين الخطيب

33. الفصول في سيرة الرسول -صلى الله عليه وسلم - تاليف: الحافظ أبي الفداء إسماعيل بن كثير الدمشقي 701-774هـ تحقيق وتعليق: محمد العيد الخطراوي -محيي الدين مستو، ط6، عام 1413هـ- 1992م، دار التراث، المدينة المنوره،ودار ابن كثير، دمشق.

34. القاموس المحيط لمحمد بن يعقوب الفيروز آبادى (817هـ):

35. قواعد الفقه لمحمد عميم الإحسان المجددي البركتي : الصدف ببلشرز، كراتشي، 1407هـ- 1986م الطبعة الأولى

36. القوانين الفقهية لابن جزي محمد بن أحمد بن جزي الكلبي الغرناطي (693-741)

37. كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، المؤلف: العلامة علاء الدين علي التقي بن حسام الدين الهندي البرهانفوري المتوفى سنة 975هـ

ضبطه وشرح غريبه: الشيخ بكرى حيانى. صححه ووضع فهارسه ومفتاحه

الشيخ صفوة السقا، مؤسسة الرسالة، بيروت، طبعة عام 1409هـ- 1989

عدد الأجزاء:16

38. لسان العرب، محمد بن مكرم بن منظور الأفريقى المصرى (630-711هـ): دار صادر بيروت، الطبعة الأولى، عدد الاجزاء:15

40. مسائل الإمام أحمد لأحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد بن إدريس بن عبد الله (203-266هـ) الدار العلمية، دلهي، 1998م ، الطبعة الأولى، تحقيق: د فضل الرحمن دين محمد

41. المستدرک على الصحيحين المؤلف: محمد بن عبد الله أبو الحاكم النيسابورى (341-405هـ) دار الكتب العلمية، بيروت ، 1411هـ 1990م الطبعة الاولى، الأجزاء: 4تحقيق: مصطفى عبد القادر عطا

42. المسند للإمام أحمد بن حنبل أبي عبد الله الشيبانى (164-241هـ): مؤسسة قرطبة، مصر، الأجزاء:6

43. المصباح المنير في قريب الشرح الكبير للرافعي: أحمد بن محمد بن على المقري الفيومي (770هـ) المكتبة العلمية، بيروت، عدد الأجزاء:2

44. المصنف في الأحاديث والآثار. تأليف: أبو بكر عبد الله بن محد بن أبي شيبة الكوفي

(159-235هـ)مكتبة الرشد، الرياض، 1409هـ الطبعة الأولى، الأجزاء: 7 ، تحقيق: كمال يوسف الحوت.

45. معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، المؤلف: عاتق بن غيث البلادي، دار مكة للطباعة والنشر والتوزيع ساحة بمكة المكرمة، الطبعة الأولى عام 1402هـ =1982م

46. معجم مقاييس اللغة: المؤلف: أبو الحسين أحمد بن فارس بن زكريا المحقق: عبد السلام محد هارون، دار الفكر، الطبعة: 1399هـ1979م. عدد الأجزاء:6

http:www.alwarraq.com [الكتاب مرقم آليا غير موافق للمطبوع]

47. المغازى، المؤلف: الواقدى، مصدر الكتاب: موقع الوراق

48. المغرب في ترتيب المعرب أبو الفتح ناصر الدين بن عبد السيد بن على بن المطرز (538-610هـ) مكتبة أسامة بن زيد، حلب، 1979م الطبعة الأولى، عدد الأجزاء:2، تحقيق: محمود فاخورى وعبد الحميد مختار

49. نصب الراية المؤلف: عبد اللّٰه بن يوسف أبو محمد الحنفى الزيلعى، تحقيق: محمد يوسف البنوري، دار الحديث. مصر ، 1357هـ عدد الأجزاء:4

50. النهاية في غريب الحديث والأثر: أبو السعادات المبارك بن محمد الجزرى (544-606هـ) تحقيق: طاهر أحمد الزاوي، محمود محمد الطناحي عدد الأجزاء: 5، المكتبة العلمية، بيروت، 1399هـ-1979م.

غَـــزْوَةُ بَـــدرٍ : فِـــقْـــهٌ وَ دَلَالَاتٌ

الدكتور عصمت الله زاهد *

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين، وبعد:

فهذا البحث يتناول موضوع غزوة بدر : فقه ودلالات، فهو يشتمل على مقدمة وفصلين:

أما المقدمة فهي لبيان مفهوم الغزوة وأقسامها، وعدد الغزوات النبوية، وغيرها من التفاصيل.

وأما الفصلان: فالفصل الأول: منهما لذكر أحداثها ووقائعها موثقة من مصادرها

والفصل الثاني: في بيان فقه الأحداث واستنباط الدروس والعبر منها نستنبط فقهها ونبين دروسها وعظاتها، بإيجاز من الكلام وفي ضوء كتاب الله تعالىٰ وسنة رسوله -صلى الله عليه وسلم- نسأل الله سبحانه وتعالى بوجهه الكريم وسلطانه العظيم أن يوفقنا ويقبل منا صالح أعمالنا إنه ولي ذلك والقادر عليه وهو المولى المستعان، فنعم المولى ونعم المعين.

☆ الأستاذ المساعد، مجمع البحوث الإسلامية، الجامعة الإسلامية العالمية ، إسلام آباد.

المقدمة:

مفـــهـــوم الغـــزوة

فـي الـلـغة هي المـرة الواحدة من الغزو وهو الإرادة والطلب والقصد والسير إلى قتال الـعـدو وانتهـابهـم غـزوا وغـزوانـا وغزاة وغزاوة وهو غاز والجمع غزى مثل حجيج، وغُـزّاء مثل فساق، وغزاة مثل قضاة، وغُزّ مثل الركع والسجد قال اللّه تعالىٰ:

﴿ يَاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَامَا تُوْا وَمَا قُتِلُوْا. لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ. وَاللّٰهُ يُحْيِ وَ يُمِيْتُ. وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْر﴾(١)

وأغزاه: حـمله على الغزو أو البعث إليه. وأعطاه دابة يغزو عليها ومغزى الكلام: مقصده

والـمغزى والمغزاة والمغازي: مـواضع الغزو، وقد تكون الغزو نفسه، ومناقبهم، وغزواته.

والمغزية: التى غزا زوجها وبقيت وحدها في البيت.

وناقة مُـغْـزِيَة: زادت على السنة شهرا في الحمل.

ومـغـزى الـكـلام وخلاصة ما سبق في المعني اللغوي هو ما قال أحمد بن فارس: الغين والزاء والحرف المعتل أصلان صحيحان:

أحدهما: طلب شيء

والآخر في باب اللقاح.

فالأول الغزو، ويقال: غزوت أغزو. والغازي الطالب لذلك.(٢)

أما في الاصطلاح فتطلق كلمة الغزوة ويرادبها: ما وقع من القتال مع الكفار وشارك فيه النبي -صلى الله عليه وسلم- بنفسه سواء قاتل أولم يقاتل(٣).

أقسام الغزوات النبوية

أما أقسام الغزوات النبوية فهي أربعة عندنا بتقسيمين اثنين:

التقسيم الأول: بالنظر إلى مشاركة النبيصلى الله عليه وسلممن عدمها

تنقسم الغزوات إلى قسمين:

١. **الغزوات:** وهي التي شارك فيها الرسول صلى الله عليه وسلم بنفسه. وسبق تعريفها

٢. **السرايا:**وهي الكتائب والجيوش التى بعثها وكلفها الرسول صلى الله عليه وسلم همة ولم يشارك فيها بنفسه.(٤)

التقسيم الثاني: بالنظر إلى زمن وقوعها تنقسم إلى قسمين أيضا:

١. الغزوات الناجزة وهي التي حدثت وتم وقوعها في عهد الرسول صلى الله عليه وسلم وفي حياته.

٢. الغزوات الموعودة وهي التي لم تقع في عهد الرسول الله -صلى الله عليه وسلم - وتنبأ أو وعد أو بشر بها الرسول صلىالله عليه وسلم ، وقد وقع بعضها ويقع البعض الآخر قبل يوم القيامة.

عدد الغزوات النبوية

وقد عد أهل العلم بالسير والمغازي والسنة النبوية غزوات الرسول -صلى الله عليه وسلم - فبلغت سبعا وعشرين غزوة، قاتل منها في تسع فقط، وبعث - صلى الله عليه وسلم- إلى الغزو حوالى سبعين مرة في سرايا مكلفة إما بمهمة قتالية أو مهمة دعوية أو كليهما وهي معظمها، يؤمر عليهم واحدا منهم.(٥)

وفيمايلى سنسلّط الأضواء على غزوة هامة فى التاريخ الإسلامى فهى:

غزوة بدر

ويكون كلامنا عن غزوة بدر فى خمس نقاط:

١. التسمية ٢. الموقع

٣. عدد المشاركين ٤. أحداث الغزوة

٥. دروس وعبر

١. **التسمية:** وتسمى بدراً الكبرى، والعظمى، والثانية، والقتال. سميت بـ"بئربدر" باسم حافرها بدر بن الحارث.(٦)

وسماها القرآن الكريم "يوم الفرقان" بقول الله تعالى: ﴿وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَىْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ. وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (٧)

وذلك لأنها أول وقعة عظيمة بين المسلمين والكفار فرق الله فيها بين الحق والباطل وأعزّ الإسلام وأهله وأذلّ الكفر والشرك وأهله.

٢. **الموقع**: وموقع غزوة بدر المكاني هو "بدر" كان بئرا باسم حافرها ثم صارت الآن بلدة(٨) بأسفل وادي الصفراء على بعد ١٥٥ كيلو متر من المدينة المنورة و ٣١٠ كيلو متر من مكة المكرمة، و ٤٥ كيلومتر من سيف البحر.

أما موقعها الزمني: فكانت الوقعة يوم الجمعة السابع عشر من شهر رمضان المبارک عام ٢هـ.(٩)

ووصف عبد اللّه بن مسعود -رضي اللّٰه عنه- جوّ يوم الغزوة قائلاً: أقسم بالله لقد رَأيتهم صرعى على بدر قد غيرتهم الشمس وكان يوماً حارًّا.(١٠)

٣. **عدد المشاركين**: وكانت عدة المسلمين في تلک الغزوة كما ورد في حديث البراء بن عازبٍ قال: كنا نتحدّث أن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كانوا بدر ثلاث مائة وبضعة عشر على عدة أصحاب طالوت من جاز معه النهر وما جاز معه إلا مؤمن.(١١)

والأنصار منهم مائتان وأربعون ونيفا، والمهاجرون ستون ونيفا، معهم فرسان وسبعون بعيرا من الإبل يعتقب الرجلان والثلاثة على بعير واحد.(١٢)

أما عدد الأعداء، كفار مكة والمشركين، فهم ألف رجل، ومعهم مائة فرس وسبعمائة بعير.(١٣)

الفصل الأول:

أحداث الغزوة

كان هدف معظم البعوث والسرايا النبوية التي كانت قبل بدر هو تهديد تجارة قريش بالتعرض لطريقها التي تمر بقرب المدينة المنورة ولكن لم يقع قتال إلا في القليل

منها.

وكان الرسول الله -صلى الله عليه وسلم - يهتم ببث العيون لاستخبار العدو وتجارتهم، حتى بلغه في رمضان من السنة الثانية أن عيرا مقبلة من الشام صحبة أبي سفيان يحرسها حوالي أربعين رجلاً وهي عير عظيمة تحمل أموالا قدرت بخمسين ألف دينار لقريش.(١٤)

فبعث رجلين هما بسبس بن عمرو وعدي بن أبي الزغباء الجهنيان أو سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل، ابن عم وصهر عمربن الخطاب، وطلحة بن عبيد الله رضي الله عنهم أجمعين إلى الحور ان على طريق الساحل التجارى لقريش، يتحسسان أخبار العير.(١٥)

وبلغ رسول الله خبرُ العير فخرج -صلى الله عليه وسلم- هو وأصحابه للقائه ورجعا يريدان المدينة ولم يعلما بخروج النبي -صلى الله عليه وسلم- فقدما يوم وقعة بدر، صبيحة يوم الجمعة ١٧ عام ٢هـ فخرجا يعترضان رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فلقياه منصرفا من بدر فضرب لهما بسهامها وأجورهما فكانا كمن شهدها.(١٦)

وضرب بعسكره قبل أن يخرج من المدينة ببئر أبى عنبة.(١٧)

وعرض أصحابه ورد من استصغر منهم: البَرَاءُ بن عَازِبٍ وابْنُ عُمَرَ وعمير بن أبى وقاص أخو سعد بن أبى وقاص ورافع بن خديج وزيد بن ثابت وأسيد بن حضير رضى الله عنهم. وكان عمير يتوارى خشية أن يراه رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فيستصغره ويرده فعرض عليه -صلى الله عليه وسلم- فاستصغره فقال: ارجع فبكى بكاء شديدا فأجازه رسول الله -صلى الله عليه وسلم- قال سعد: فكنت أعقد له حمائل

سيفه من صغره فاستشهد وهو ابن ست عشرة سنة.(١٨)

وقال ابن عمر -رضي الله عنه- إذ استصغره يوم بدر: ما أتت على ليلة قط مثلها من السهر والحزن والبكاء إذ لم يقبلني رسول الله فلما كان من العام القابل عرضت عليه فقبلني فحمدت الله على ذلك.(١٩)

واستأذنه أبو أحمد عبد بن جحش وابن أم مكتوم الأعميان -رضى الله عنهما- فنزل القرآن وأذن لهما.(٢٠)

ورد حذيفة بن اليمان ووالده -رضى الله عنهما- لأنهما وعدا كفار قريش بعدم حضور القتال معه فقال: انصرفا نفى لهم بعدهم ونستعين الله عليهم.(٢١)

ولم يعزم الخروج للجميع، ولم يسمح لغير المسلمين أن يخرجوا.(٢٢)

فخرج ولم يحتفل لها احتفالا كثيرا إلا أنه خرج في ثلاثمائة وبضعة عشر رجلا لثمان خلون من رمضان واستخلف على المدينة وعلى الصلاة ابن أم مكتوم.

فلما كان بالروحاء(٢٣) رد أبا لبابة بن عبد المنذر -رضى الله عنه- واستعمله على المدينة المنورة.

ولم يكن معه سوى فرسين وسبعين بعيرا يعتقب الرجلان والثلاثة فأكثر على البعير الواحد، فكان رسول الله -صلى الله عليه وسلم- وعلى بن أبى طالب ومرثد بن أبي مرثد الغنوي -رضي الله عنهم- يعتقبون بعيرا فأرادا أن يؤثراه على أنفسهما فيقول: ما أنتما بأقوى على المشي مني وما أنا بأغنى عن الأجر منكما.(٢٤)

ودفع -صلى الله عليه وسلم- اللواء إلى مصعب بن عمير والراية الواحدة إلى علي بن أبي طالب والراية الأخرى إلى رجل من الأنصار وكانت راية الأنصار بيد سعد

بن معاذ وجعل على الساقة قيس بن أبى صعصعة -رضي الله عنهم أجمعين-.

وسار -صلى الله عليه وسلم- فلمّا قرب من الصفراء(٢٥) بعث مرة أخرى، نفس الرجلين بسبس بن عمرو وعدي بن أبي الزغباء الجهنيين إلى بدر يتجسسان أخبار العير.

وأشرف على الصفراء فسأل عن أسماء جبليها؟ فقالوا: مسلح ومخرئ.

وسأل عن أهلهما، فقيل: بنو النار وبنو حراق، فكره المرور بينهما وتفاء ل بأسمائهما وأسماء أهلهما فتركهما والصفراء بيسار وسار حتى نزل على وادي ذفران.(٢٦)

ونزل بسبس بن عمرو وعدي بن أبى الزغباء الجهنيان بدرا فتسمعا من جاريتين أن العير ترد غدا أو بعده وصدقهما مجدي بن عمرو فرجعا إلى الرسول الله -صلى الله عليه وسلم- بذفران وأخبراه بالأخبار.

وتقدمّ أبو سفيان العير حذراً حتى ورد الماء فقال لمجدي: هل أحسست أحدا؟ قال: إلا أني قدر رأيت راكبين أنا خا ثم استقيا ثم انطلقا فأتى أبو سفيان مناخهما فعرف من نوى أبعار بعيريهما أنه علائف يثرب فأسرع أن ضرب وجه عيره عن الطريق فساحل ونجابها. واستأجر ضمضم ابن عمرو الغفاري مستصرخا لِقريش ليمنعوا عيرهم فنهضوا مسرعين وأوعبوا فى الخروج ولم يتخلف من أشرافهم أحد سوى أبي لهب فإنه عوض عنه رجلا كان له عليه دين، ولم يتخلف عنهم أحد من بطون قريش إلا بنو عدي فلم يخرج معهم منهم أحد.

وخرجوا من ديارهم كما حكى الله عزوجل عنهم: ﴿ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ . وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ﴾(٢٧)

وعندما رأى أبو سفيان أنه قد نجا بالعير بعث الى قريش يعلمهم ويأمرهم أن يرجعوا فأبى أبو جهل وكيف لا يأبى وقد بدت له ولأمثاله أهداف جديدة طالما حلموا بها وإن لم يكونوا قد خرجوا لها في بداية الأمر فالفرصة سانحة ولا بد أن يستغلوها وقال: واللّه لا نرجع حتى نردماء بدر ونقيم عليها ثلاثا ونشرب الخمر وتضرب على رؤوسنا القيان فتهابنا العرب أبداً".

فبدا التخاذل ورجع الأخنس بن شريق بقومه بني زهرة قاطبة وهم بالجحفة شرق رابغ، وقال: إنما خرجتم لتمنعوا عيركم وقد نجت.

ولما علم الرّسول -صلى اللّه عليه وسلم- بخروج قريش للقتال استشار أصحابه -رضي اللّه عنهم- فتكلّم أبو بكر ثم عمر فكثير من المهاجرين فأحسنوا فأعرض ثم استشارهم يريد الأنصار فبادر سعد بن معاد -رضى اللّه تعالى عنه- فقال: يا رسول اللّه كأنك تعرض بنا فو اللّه يا رسول اللّه لو استعرضت بنا البحر لخضناه معك فسر بنا يا رسول اللّه على بركة الله. وقال المقداد بن الأسود: لا نقول كما قال قوم موسى اذهب أنت وربك فقاتلا ولكنا نقاتل عن يمينك وعن شمالك وبين يديك وخلفك فأشرق وجه النبي -صلى اللّه عليه وسلم- وسرّ بذلك.(٢٨)

فندب رسول اللّه -صلى اللّه عليه وسلم- فانطلقوا حتى نزلوا بدراً. وركب -صلى اللّه عليه وسلم- مع رجل مستخبرا ثم بعث عليا وسعدا والزبير فأسروا عبدين لقريش فسألوهما: لمن أنتما فقالا نحن سقاة لقريش فكرهوا ذلك وودوا أن لو كانا للعير ليفوزوا به دون النفير فجعلوا يضربونهما فقال رسول اللّه -صلى اللّه عليه وسلم- بعد أن انصرف من صلاته: والذى نفسي بيده إنكم لتضربونهما إذا صدقا وتتركونهما إذا كذبا ثم استجوبهما فقال -صلى اللّه عليه وسلم- : القوم ما بين

التسعمائة إلى الألف.

سبق المشركون إلى بدر ولكن بادر رسول الله -صلى الله عليه وسلم - قريشا إلى أدنى ماء بدر ونزل فقال له الحباب بن المنذر بن عمرو: يا رسول الله ! هذا المنزل الذي نزلته أمرك الله به أو منزل نزلته للحرب والمكيدة؟ قال: بل منزل نزلته للحرب والمكيدة. فقال: ليس هذا بمنزل فانهض بنا حتى نأتي أدنى ماء من القوم فننزل ونغور ما وراء نا من العيون ثم نبني عليه حوضا فنشرب ولا يشربون. فاستحسن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- وقبل ذلك منه، وحال الله بين قريش وبين الماء بمطر عظيم أرسله وكان نقمة على الكفار ونعمة على المسلمين مهدلهم الأرض ولبدها وبنى لرسول الله -صلى الله عليه وسلم - عريش يكون فيه ومشى -صلى الله عليه وسلم - فى موضع المعركة وجعل يريهم مصارع رؤوس القوم واحدا واحدا ويقول هذا مصرع فلان إن شاء الله وهذا مصرع فلان وهذا مصرع فلان قال عبد الله بن مسعود -رضي الله عنه- فو الذي بعثه بالحق ما أخطا واحد منهم موضعه الذى أشار إليه رسول -الله صلى الله عليه وسلم-.

وكان النبي -صلى الله عليه وسلم - أعلن مسبقاً عن جوائز لمن أسر أسيراً أو قتل أحدا من الكفار، فكان في ذلك تشجيع للمجاهدين ومن عمل مثلهم من الأعمال الحربية فعن ابن عباس -رضي الله عنهما - قال : قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم- يوم بدر: من فعل كذا وكذا فله من النفل كذا وكذا وفي رواية: من قتل قتيلا فله كذا وكذا ومن أسر أسيرا فله كذا وكذا). (٢٩)

وبات رسول الله -صلى الله عليه وسلم- تلك الليلة ليلة الجمعة اليوم السابع عشر من شهر رمضان المبارك من السنة الثانية للهجرة. ١٧/٩/ ٢هـ. يصلي إلى جذم

شجرة هناك ويبكى وأكثر -صلى الله عليه وسلم- من الدعاء يوم بدر فكان دعا حينما خرج إلى بدر فقال: اللهم إنهم حفاة فاحملهم اللهم إنهم عراة فاكسهم اللهم إنهم جياع فأشبعهم(٣٠)، ودعا في الليل وبعد الفجر فكان يدعو ربه عزوجل ويقول: اللهم إنك إن تهلك هذه الفئة لا تعبد" ويقول: اللهم إنى أنشدك عهدك ووعدك اللهم إن شئت لم تعبد بعد اليوم" فأخذ أبو بكر بيده فقال: حسبك يا رسول الله فقد ألححت على ربك". ولما رآهم يقبلون نحو المسلمين استقبل القبلة ثم مد يديه فجعل يهتف بربه: اللهم هذه قريش قد أقبلت بخيلائها وفخرها تحادك وتكذب رسولك اللهم إنى أسألك ما وعدتني.(٣١)

ويقول: اللهم أنجزلي ما وعدتني اللهم آت ما وعدتني اللّهم إن تهلك هذه العصابة من أهل الإسلام لا تعبد في الأرض فما زال يهتف بربه مادا يديه مستقبل القبلة واجتهد مشغولا في الدعاء حتى سقط رداؤه عن منكبيه. فأتاه أبو بكر فأخذ رداءه فألقاه على منكبيه ثم التزمه من ورائه وقال: يا نبيّ الله كفاك منا شدتك ربّك فإنه سينجزلك ما وعدك"(٣٢)

فأنزل الله عزوجل: ﴿ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴾(٣٢)

أمّا المسلمون فأصابهم من الليل طشٌّ من مطر فانطلقوا تحت الشجر استظلوا تحتها من المطر فلما أن طلع الفجر نادى: الصلاة عباد الله! "فجاء الناس من تحت الشجر والحجف فصلّى بهم وحرّض على القتال.

وأراد حكيم بن حزام وعتبة بن ربيعة أن يرجعا بقريش ولا يكون قتال. قال علي -رضي الله عنه- : لما دنا القوم منا وصافيناهم إذا رجل منهم على جمل له أحمر

يسير في القوم فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم - يا علي! ناد لي حمزة وكان أقربهم من المشركين. من صاحب الجمل الأحمر وماذا يقول لهم؟ ثم قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم- : إن يكن في القوم أحد يأمر بخير فعسى أن يكون صاحب الجمل الأحمر" فجاء حمزة فقال: هو عتبة بن ربيعة وهو ينهى عن القتال ويقول لهم: ياقوم إني أرى قوما مستميتين لا تصلون إليهم وفيكم خير، يا قوم! اعصبوها اليوم برأسي وقولوا: جبن عتبة بن ربيعة وقد علمتهم أني لست بأجبنكم. فسمع ذلك أبو جهل فقال: أنت تقول هذا ؟ !! والله لو غيرك يقول هذا لأعضضته قد ملأت رئتك جوفك رعبا فقال عتبة: إياى تعير يا مصفر استه ستعلم اليوم أينُّا الجبان.(٣٥)

فأبي أصر أبو جهل على القتال وحرّض فنشبت الحرب.

وعدّل رسول الله -صلى الله عليه وسلم - صفوف أصحابه وفي يده قدح يعدل به القوم فمر بسواد بن غزية الأنصاري حليف بني عدي بن النجار -رضى الله عنه- وهو متقدم خارج من الصف فطعنه رسول الله -صلى الله عليه وسلم - في بطنه بالقدح وقال له: استويا سواد بن غزية" قال: يا رسول الله ! أوجعتني وقد بعثك الله بالحق فأقدني" قال: فكشف رسول الله -صلى الله عليه وسلم - عن بطنه ثم قال: استقد "فاعتنقه وقبَّل بطنه فقال -صلى الله عليه وسلم-: ما حملك على هذا يا سواد ؟ فقال: يا رسول الله! قد حضر ما ترى فلم آمن القتل فأردت أن يكون آخر العهد بك أن يمس جلدي جلدك" فدعا له رسول الله -صلى الله عليه وسلم- بخير وقال له خيراً".(٣٦)

وقام سعد بن معاذ وبعض الأنصار يحمون رسول الله -صلى الله عليه وسلم- على باب العريش وخرج ناس من الكفار يطلبون البراز فخرج إليهم من المسلمين أكفاء لهم من بني عمهم ثم حي الوطيس واشتد القتال.

ثم أغفى رسول الله -صلى الله عليه وسلم - إغفاءة ثم رفع رأسه وهو يقول: أبشر يا أبا بكر هذا جبريل على ثناياه النقع". وحمى القتال وقاتل المسلمون قتال الشجعان، وتبين لكافة الناس أنهم المؤمنون الذين كتب الله تعالى في قلوبهم الإيمان فهم لا يوادون "من حاد الله ورسوله ولو كانوا آباءهم أو أبناءهم أو إخوانهم أو عشيرتهم" فهذا عبد الله والد أبي عبيدة بن الجراح يتعرض لأبى عبيدة يوم بدر، وجعل أبو عبيدة يحيد عنه، فلما أكثر الجراح قصده أبو عبيدة، فقتله.(٣٧)

وشهد عبد الرحمن بن أبي بكر الصديق بدرا مع المشركين وكان يومئذ على دين قومه في الشرك ودعا إلى البراز فقام إليه أبوه أبو بكر -رضي الله عنه - ليبارزه فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم- لأبى بكر متعنا بنفسك.(٣٨) وفي رواية: قال عبد الرحمن بن أبي بكر لأبيه: قد رأيتك.... فصدفت عنك فقال أبو بكر: لو رأيتك ما صدفت عنك ولم أصفح عنك.(٣٩)

وقال عمر بن الخطاب -رضى الله عنه- : قتلت (يوم بدر) بيدي خالي، العاص بن هشام بن المغيرة وقال له سعيد بن العاص بن سعيد: يا أمير المؤمنين لو قتلت أبي وقد قتله علي بن أبي طالب -رضي الله عنه- كنت على حق وكان على باطل"فتعجب عمر من قوله(٤٠)

أما أمر أبي عزيز بن عمير أخي مصعب بن عمير لأبيه وأمه فأعجب الأمور فقد وقع فى يد محرز بن فضلة فقال مصعب لمحرز: أشدد يديك به فإن له أما بمكة كثيرة المال فقال أبو عزيز: هذه وصاتك بي يا أخي؟! فقال: إن محرزا أخي دونك" فبعثت أمه عنه بأربعة آلاف.(٤١)

(رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ

الْمُفْلِحُوْنَ)(٤٢)

وكان الشيطان قد تبدى لقريش في صورة سراقة بن مالك بن جعشم زعيم بني مدلج فأجارهم وزين لهم الذهاب إلى ما هم فيه وذلك أنهم خشوا بني مدلج أن يقصدوا أهاليهم وأموالهم من بعدهم فذلك قوله تعالى: ﴿ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ . فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَالَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ. وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (٤٣)

وذلك أنه رأى الملائكة حين نزلت للقتال ورأى ما لا قِبَل له به، ففرّ وقاتلت الملائكة كما أمرها الله وكان الرجل من المسلمين يطلب قِرْنَه فإذا به قد سقط أمامه، ومنح الله المسلمين أكتاف المشركين فكان أول من فرمنهم خالد بن الأعلم فأدرك فأسر وتبعهم المسلمون فِي آثارهم يقتلون ويأسرون فقتلوا منهم سبعين وأسروا سبعين وأخذوا غنائمهم.

فكان من جملة من قتل من المشركين ممن سمي رسول الله -صلى الله عليه وسلم- موضعه بالأمس أبو جهل وهو أبو الحكم عمرو بن هشام لعنه الله قتله معاذ بن عمرو بن الجموح ومعوذ بن عفراء -رضي الله عنهما-.

قال عبد الرحمن بن عوف -رضي الله عنه-: بينا أنا واقف في الصف يوم بدر نظرت عن يميني وشمالي فإذا أنا بين غلامين من الأنصار حديثه أسنانهما تمنيت لو كنت بين أضلع منهما فغمزني أحدهما فقال: يا عم! هل تعرف أبا جهل؟ قال: قلت: نعم وما حاجتك إليه يا ابن أخي؟! قال: أخبرت أنه يسب رسول الله -صلى الله عليه وسلم- والذي نفسي بيده لئن رأيته لا يفارق سوادى سواده حتى يموت الأعجل منا" قال

فتعجبت لذلك. فغمزني الآخر فقال مثلها، قال : فلم أنشب أن نظرت إلى أبى جهل يزول في الناس فقلت: ألا تريان؟! هذا صاحبكما الذي تسألان عنه" قال فابتدراه فضرباه بسيفيهما حتى قتلاه ثم انصرفا إلى رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فأخبراه فقال: أيكما قتله؟ فقال كل واحد منهما: أنا قتلت "فقال: هل مسحتما سيفيكما؟ قالا: لا فنظر في السيفين فقال: كلا كما قتله" وقضى بسلبه لمعاذ بن عمرو بن الجموح.(٤٤)

وتمم عليه عبد الله بن مسعود -رضي الله عنه- فاحتز رأسه وأتى به رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فسرّ بذلك وعتبة وشيبة ابنا ربيعة والوليد بن عتبة وأمية بن خلف فأمر بهم رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فسحبوا إلى القليب ثم وقف عليهم ليلا فبكتهم وقرعم وقال بئس عشيرة النبي كنتم لنبيكم كذبتموني وصدقني الناس وخذلتموني ونصرني الناس وأخرجتموني وآواني الناس ثم أقام رسول الله -صلى الله عليه وسلم - بالعرصة ثلاثا ثم ارتحل بالأسارى والمغانم وقد جعل عليها عبد الله بن كعب بن عمرو النجاري وأنزل الله في غزوة بدر سورة الأنفال فلما كان رسول الله -صلى الله عليه وسلم- بالصفراء قسم المغانم كما أمره الله تعالى وأمر بالنضر بن الحارث فضربت عنقه صبرا وذلك لكثرة فساده وأذاه رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فرثته أخته وقيل ابنته قتيلة بقصيدة مشهورة ذكرها ابن هشام فلما بلغت رسول الله -صلى الله عليه وسلم - قال: لو سمعتها قبل أن أقتله لم أقتله" ولما نزل عرق الظبية أمر بعقبة بن أبى معيط فضربت عنقه أيضا صبراً.

ثم إن رسول الله -صلى الله عليه وسلم - استشار أصحابه في الأسارى ماذا يصنع بهم فأشار عمر بن الخطاب -رضى الله عنه- بأن يقتلوا وأشار أبو بكر -رضى الله

عنه- بالفداء وهوى رسول الله -صلى الله عليه وسلم- ما قال أبو بكر فحلل لهم ذلك وعاتب الله في ذلك بعض المعاتبة في قوله تعالى: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ. تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا. وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ. وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾(٤٥)

وقد روى مسلم في صحيحه عن ابن عباس -رضي الله عنهما- حديثا طويلا فيه بيان هذا كله فجعل رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فداء هم أربعمائة أربعمائة. ومن لم يجد فعليه أن يعلم عشرة من أولاد المسلمين.

قال ابن عبّاس: كان ناس من الأسرى يوم بدر لم يكن لهم فداء فجعل رسول الله -صلى الله عليه وسلم- أن يُعَلِّموا أولاد الأنصار الكتابة، فكان بعض الأسرى المعلمين يضربون الأطفال ثأرا وانتقاما لما لحق بهم من الهزيمة يوم بدر.(٤٦)

وقالت عائشة (زوج النبى صلى الله عليه وسلم): لما بعث أهل مكة في فداء أسراهم بعثت زينب في فداء أبي العاص (بن الربيع) بمال وبعثت فيه بقلادة لها كانت عند خديجة أدخلتها بها على أبي العاص (حين بنى عليها) قالت: فلما رآها رسول الله -صلى الله عليه وسلم- رق لها رقة شديدة وقال إن رأيتم أن تطلقوا لها أسيرها وتردوا عليها الذي لها) [فافعلوا] فقالوا نعم [يارسول الله وردّووا عليها الذي لها] وكان رسول الله -صلى الله عليه وسلم- أخذ عليه أو وعده أن يُخَلِّي سبيل زينب إليه وبعث رسول الله -صلى الله عليه وسلم- زيد بن حارثة ورجلا من الأنصار فقال كونا ببطن يأجج حتى تمرّ بكما زينب فتصحباها حتى تأتيابها.(٤٧)

ورجع رسول الله -صلى الله عليه وسلم- الى المدينة مظفرا منصورا قد أعلى الله كلمته ومكن له وأعز جنده ونصر عبده فأسلم حينئذ بشر كثير من أهل المدينة تقية

ومن ثم دخل عبد الله بن أبي بن سلول وجماعته من المنافقين.

وقتل من المسلمين يومئذ أربعة عشر رجلا ستة من المهاجرين وستة من الخزرج واثنان من الأوس وقتل من المشركين سبعون وأسر منهم مثل ذلك أيضا وفرغ . رسول الله -صلى الله عليه وسلم- من شأن بدر والأسرى في شوال عام ٢هـ.

ملحوظة: معظم سياق أحداث هذه الغزوة من "الفصول في سيرة الرسول-صلى الله عليه وسلم - لابن كثير، وما أخذته من غيره فقد أحلت على مصدره في الهامش.

الفصل الثاني:

فقه وعبر و دلالات غزوة بدر

والآن. وقد سقنا أحداث غزوة بدر. حان الأوان أن نستنبط منها الدروس التربوية ، والأحكام الشرعية والتى نعتبرها بمثابة الحكم الذهبية للأمة الإسلامية جمعاء. مستمدين من الله تعالىٰ العون، وهو ولي التوفيق، المستعان.

1. **الصراع بين الحق والباطل:**

إن الصراع بين الحق والباطل، والخير والشر، والإسلام والجاهلية، قديم قدم وجود الإنسان على وجه المعمورة، وأول مواجهة بينهما وقعت فى الجنة وكان أبونا آدم عليه السلام يمثل الحق والخير والإسلام لله تعالىٰ ومعه زوجه حواء عليها السلام، وإبليس اللعين الشيطان يمثل الشر والعصيان والجاهلية والطغيان ثم أهبطهم الله سبحانه وتعالىٰ منها إلى الأرض فكانت مجالا وميداناً

للصراع بينهما وبدأت سلسلة الصراع الطويل. وغزوة بدر الكبرى، يوم الفرقان يوم التقى الجمعان، حلقة من هذه السلسلة وامتازت على غيرها بمشاركة الشيطان بنفسه فيها. وهو رأس الكفر والعصيان وقائد الطغيان. وقد ذكر القرآن الكريم شركة الشيطان فى غزوة بدر؛ فقال عزمن قائل :﴿ وَاِذ يَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّىْ جَارٌلَّكُمْ . فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰى مَالَا تَرَوْنَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ. وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (٤٨)

2. **مشروعية توجيه الضربة للقوة الاقتصادية للعدو تدمير مواردها:**

وثاني دروس هذه الغزوة ومن أهمها هو مشروعية ضرب وإضعاف القوة الاقتصادية للعدو فإن الحروب والخوض فيها تتطلب وتكلف أموالاً كثيرة والدول الضعيفة والمتخلفة اقتصادياً لا تقدر على تحمل أعباء الحروب، وكثيراً ما تنهار نتيجة انهيار اقتصادها، وإن للاقتصاد وقوته لدور كبير فى الحروب، فمن الحكمة بمكان، أن توجه الضربة للقوة الاقتصادية للعدو وموارده حتى لا يقدم على خوض الحرب وتكون الهزيمة من نصيبه إذا خاض.

وهذا ما عمله رسول الله -صلى الله عليه وسلم- وأصحابه -رضى الله عنهم- مع العدو، بعد الهجرة إلى المدينة المنورة في غزوة بدر وقبلها، فقد صح تهديد ثمامة بن أثال .رضى الله عنه. الحنفى، رئيس بنى حنيفة ، لقريش بمنع الحنطة والحبوب عنهم والتى كانت تأتيهم من نجد، وذلك لما تعرضوا له أثناء الطواف قائلين: صبوتَ! وكان قد أسلم فقال: ما صبوت ولكنى أسلمت

مع محمّد رسول اللّه صلى عليه وسلم ولا والله لا يأتيكم من اليمامة حبة حنطة حتى يأذن فيها النبى صلى اللّه عليه وسلم.(٤٩)

ثم خرج إلى اليمامة فمنعهم أن يحملوا إلى مكة شيئا، فكتبت قريش إلى النبى. -صلى اللّه عليه وسلم- . : إنك تأمر بصلة الرحم، فكتب إلى ثمامة أن يخلى بينهم وبين الحمل إليهم ففعل، رضى اللّه عنه وأرضاه.

ونزل سعد على أمية بن خلف بمكة المكرمة، قبل غزوة بدر فقال لسعد: انتظر حتى إذا انتصف النهار وغفل الناس انطلقت فطفت فبينا سعد يطوف إذا أبو جهل قال: تطوف بالكعبة آمنا وقد آويتم محمداً وأصحابه فقال نعم فتلاحيا بينهما فقال أمية لسعد لا ترفع صوتك على أبى الحكم فإنه سيد أهل الوادى ثم قال سعد واللّه لئن منعتنى أن أطوف بالبيت لأقطعن متجرك بالشام قال فجعل أمية يقول لسعد لا ترفع صوتك وجعل يمسكه.(٥٠)

وكلّف رسول اللّه -صلى اللّه عليه وسلم- عيونه وجواسيسه وسراياه يتعرضون ويرصدون قوافل قريش التجارية حتى علموا عيرا لهم يأتى من الشام، فندب المسلمين إليهم، كأنه حان موعد توجيه الضربة القوية لاقتصادهم فقال: هذه عير قريش، فيها أموالهم، فاخرجوا إليها لعل اللّه ينفلكموها فخف بعضهم، وثقل بعضهم، إذ لم يجعل الخروج واجباً، فلم يكن التأهب للقتال، وإنما لأخذ القافلة.

وطارد سرية زيد بن خالد عيراً للمشركين، كانت سلكت الطريق الشرقية بعد أن قطعت الطريق الغربية السهلة القريبة من المدينة المنورة وتوقفت تجارة قريش إلى الشام عن هذه الطريق، فاغتنم المسلمون أموالها.

وفي واقعنا المعاصر أكثر الحروب بين الشعوب والأمم نشبت على المصالح

الاقتصادية. فيجب على المسلمين الذين يلون العدو المحارب القيام بتوجيه الضربة القوية لا قتصاد العدو، كما يجب على سائر المسلمين شعوبا ودولا أفرادا وجماعات ومستهلكين وتجارا، على الأقل- أن لا يدعموا اقتصاد أعداء المسلمين ببيع ما هو بمثابة عصب الحياة لاقتصادهم من النفط وغيره من الثروات المعدنية، وبشراء واستيراد البضائع منهم وباستقدام واستخدام العمالة الوافدة من بلادهم من الكفار دون المسلمين، ولو أوقفت الأمم المستوردة استيراد السلع من الأمم الطاغية لاستطاعت أن تشل حركتها، وهذا ميسور، وباستطاعة كل أمة أن تطبقه خصوصاً مع وجود التنافس بين الدول المصدرة، وقد تحصل الدول بحكمتها عن طريق حسن توظيف الضغوط الاقتصاديّة مالم ولن تستطيع أو تأمل في حصوله عن طريق الحروب والاشتباكات.

3. النصر من عندالله وليس بالعدد والعُدَّة:

ودلّت نتائج غزوة بدر على أن الانتصار في المعارك والحروب ليس بعدد المقاتلين وكثرتهم ولا بسلاحهم إذا الأسلحة وحدّها ونفاذها بمستخدمها، ولو كان النصر بالعدد لانتصر جيش قريش وكانوا ثلاثة أضعاف المسلمين، فالنصر من عند اللّٰه الذي بيده ملكوت كل شيء، قال تعالى: ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهِ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدَاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾(٥١). وليست الغزوة أول غزوة ينتصر فيها الليل على الكثير، بل هذا سنة اللّٰه في الصراع بين حزب الرحمن وأولياء الشيطان، قال تعالى حكاية عن القتال بين داود ومن معه من المؤمنين وبين جالوت ﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهِ مَعَ الصَّابِرِيْنَ﴾(٥٢).

والأمثلة لذلك كثيرة من التاريخ البشري.

4. **نظام الاستخبارات وبث العيون:**

ومن الدلالات المهمّة النافعة لغزوة بدر هو العناية والاهتمام ببث العيون وتكليف الجواسيس وتنظيم المخابرات العسكريّة لاستطلاع أخبار الأعداء وأحوالهم وتنقلاتهم، وقسم الخابرات من أهم الأقسام العسكرية. والأمر ليس تنظيم المخابرات فحسب بل مارس النبي -صلى الله عليه وسلم- مهمة الاستطلاع بنفسه.

5. **تفويض المهمات وتوزيع المسؤليات:**

وفي قيام الرسل -صلى الله عليه وسلم- بتوزيع الألوية الورايات للقبائل وتفويض الأعمال وإسناد المهمات إلى الأشخاص دلالة واضحة على أهمية التنظيم وفيها قواعد الإدارة البشرية واصولها التي بها يتمكن الأنسان من حسن استخدام المواهب والقدرات الإنسانية كما أن فيها إنجاز الأعمال والمهمات على أحسن وجه، وفيها تأليف وجمع لنزاع القبائل. وقد سبق للرسول -صلى الله عليه وسلم- قبل بعثته أن جمع القبائل المتحاربة بإشراكهم في حمل الحجر الأسود ووضعه في مكانه.

6. **خطورة التنظيم وعظم شان نصب الإمارة:**

وتعيين النبي -صلى الله عليه وسلم -عند خروجه من المدينة المنورة عبدالله بن أم مكتوم للصلاة وأبالبابة أميراً على المدينة يدل دلالة واضحة على أهمية الجانب الاجتماعي، حتى في العبادات، وخطورة الجانب السياسي ويبين

أهمية وجود الأمير في الحضر والسفر والسلم والحرب.

7. **الوفاء بالوعد:**

وفي ردّ الرسول -صلى اللّه عليه وسلم- حذيفة بن اليمان ووالده وفاء لوعدهما مع قريش دليل واضح على أهمية الوفاء بالعهد والوعد، وليس التزامه بالاتفاقيات وتقيده بالعهود والمواثيق مرة أو مرتين في حياته وإنما كان هذا ديدنه وخلقه بالاستمرار والدوام ما دام يلتزم الفريق الآخر بها فقد ردّ -صلى اللّه عليه وسلم- أبا جندل يوم الحديبية وأبا بصير وأمثالها بعده مع أنه الرؤوف الرحيم بالمؤمنين بشهادة اللّه له بقوله تعالى: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَحِيْمٌ﴾(٥٣).

وبغض النظر عن شدة كآبة المسلمن وحزنهم على شروط الصلح في الحديبية، ومع ماسمعوا من صراخ ولهف أبي حينما رده إلى أبيه -وهذا يدل على أهمية الوفاء بالعهد والالتزام بالاتفاقات المبرمة مع الأعداء.

ففي القصة تأكيد الالتزام بالعهود بالاتفاقيات وليكن هذا الوفاء وعدم الغدر سمة بارزة في السياسة والعلاقات الخارجية للدول الإسلامية وبخاصة في علاقاتها مع الدول غير الأسلامية.

8. **الدعوة إلى الإسلام قبل الاستعانة بالكفار في الجهاد:**

الرسول -صلى اللّه عليه وسلم- داعية يدعو إلى اللّه على بصيرة، فلم ينس وظيفته وهو في سفره للقاء العدو فرد المشرك لذي عرض عليه أن يقاتل المشركين بجانبه فرفض ولم يقبل - مع أن الشرع لم يحرم الاستعانة بهم- والحكمة في هي دعوته إلى الإسلام وترغيبه في اعتناقه، وهذا ماحصل فقد

اعتنق الرجل الإسلام ثم جاهد في سبيل الله، وهذا يدل على أهمية الدعوة إلى الله ومدي اهتمام الرسول -صلى الله عليه وسلم- بها ولأن غزوة بدر أولى الملاحم الإسلامية فأراد الرسول -صلى الله عليه وسلم - أن يبرز صبغتها العقائدية الخالصة ووحدة هدف المقاتلين.

9. **الاهتمام بحقوق الأطفال والصغار:**

وفي ردّ الرسول -صلى الله عليه وسلم- الأطفال والصّغار وعدم قبوله إيّاهم للقتال في بدر دليل على أن ديننا "الإسلام" ونبيّه محمّداً -صلى الله عليه وسلم- لايحبذ ولا يشجّع مشاركتهم في الحروب وسفك الدماء، إذا هو دين الرحمة والرأفة، والنبي -صلى الله عليه وسلم- رحمة للعالمين، وعدم تجنيد الصغار للقتال سنة نبوية وشريعة إسلامية وهو سبق لتشريع حقوق الأطفال والصغار وحسن مراعاتها في زمن لم يكن الإنسان الغربي يتصور أويسن تشريعات لصيانة حقوق الأطفال والصغار، وهو مقتضى حسن التربيّة لأجيال المستقبل حتى لا يتربوا على حب خوض الحروب الضارية. كما أن فيه دليلاً على إباحة حضورهم القتال وخوضهم غمار الحرب إذا بلغوا سن التمييز وشاركوها طواعية دون إكراهٍ أوإجبار.

10. **دور الشباب في الخطب والمهمات:**

وفي هؤلاء الصّغار والأطفال في سنّ التمييز من الصحابة الذين شاركوا غزوة بدر برغبة صادقة وإرادة حرة لقدوة حسنة للمؤمنين لامجاهدين في كل زمان ومكان، وفيه دليل على أهميّة دور الأطفال والصغار في الشؤون الاجتماعية في كل من السلم والحرب.

11. **التخلف لأجل العذر:**

وبما أن الإسلام دين الرحمة والفطرة، فخفّف عن المرضى وأهل الأعذار و الاضطرار، ولذا أذن النبي -صلى الله عليه وسلم- لأبي أحمد عبد بن جحش وابن أم مكتوم الأعميين- رضي الله عنهما - وعيّن ابن أم مكتوم -رضي الله عنه-إماماً يصلي بالناس في المسجد النبوي الشريف.

12. **مشاركة القائد ومسابقته جنده في تحمل المشاق:**

ما أروع موقف الرسول الكريم -صلى الله عليه وسلم - وهو شيخ في الخامسة والخمسين من عمره حينما رفض الركوب نزولا على رغبة صحبه منه، ابتغاء للأجر، وما ادعاه من موقف إلى انقياد الجند لأوامر القائد حينما يرونه يسابقهم وينافسهم في ابتغاء رضا المولى سبحانه وتعالى والتطلع إلى ثوبه ويشاركهم مشاركه فعلية لا رمزيّة في تحمّل المشاقّ كذلك. بمثل تلك المواقف يمكن تنشيط وتفعيل جنود وعمّال العمل الإسلامي واستخدامهم لمرضاة الله بكل طواعية.

13. **الشورى في الشئون العسكرية والجهادية:**

الشورى من القيم الإنسانية والاجتماعية التي جاء بها الإسلام ومعنى الشورى ألا ينفرد الإنسان بالرأي وحده في الأمور التي تحتاج إلى مشاركة عقل آخر أو أكثر، فرأي الاثنين أو الجماعة أدنى إلى إدراك الصواب من رأي الواحد.

كما أن التشاور في الأمر يفتح مغاليقه، ويتيح النظر إليه من مختلف زواياه، بمقتضى اختلاف اهتمامات الأفراد، واختلاف مداركهم وثقافتهم؛ وبهذا يكون الحكم على الأمر مبنياً على تصور شامل، ودراسة مستوعبة. فالإنسان

بالشورى إلى عقله عقول الآخرين وإلى علمه علوم الآخرين.

وقد دعا الإسلام إلى الشورى في حياة الفرد، وفي حياة الأسرة، وفي حياة المجتمع والدولة. وعمل الرسول -صلى الله عليه وسلم - يوم بدر وسنته الفعلية حيث استشار أصحابه -رضي الله عنهم - عند الخروج من المدينة المنورة، ثم قبل رأي الحباب بن المنذر في اختيار موقع النزول للجيش، واستشار في شئون الأسرى، كل ذلك يدل بوضوح على عدم استغناء البشر من الاستشارة في جميع الأمور التي لم يرد فيها نص شرعي بصفة عامّة و في شئون الجهاد والقتال وكل مايخص مصير الشعوب والمجتمعات بصفة خاصّة، كائنا من كان.

14. **أدب الطاعة والتسليم لله تعالى ولرسوله صلى الله عليه وسلم:**

وفيه الأدب الرفيع الجم الذي يجب أن يتحلّى به كلّ مسلم ومسلمة، ألا وهو الخضوع والانقياد التامّ لأو امر الله ورسوله، ولو يعلم حكمها وأسرارها واشتراط معرفتها والوصول إلى كنهها قبل إتيانها والإذعان لها يعارض الإيمان فقد سأل الحباب -رضي الله عنه- قبل أن يبدي رأيه قائلا: يارسول الله! أرأيت هذا المنزل، أمنزلاً أنزلكه الله ليس لنا أن نتقدّم ولا نتأخر عنه أم هو الرأي والحرب المكيدة؟ فلما قال له بل هو الرأي والحرب والمكيدة أبدى رأيه، وهذه هي التربية النبوية لأصحابه -رضي الله عنهم- أجمعين، كانوا لا يقدمون بين يدي الله ورسوله كما أكدلهم القرآن الكريم في قوله تعالى ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلاَ مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعصِ اللّه ورسوله فقد ضل ضلالا مبينا﴾(٥٣)

15. **الاستعانة بالخبراء:**

وقبول الرسول -صلى اللّٰه عليه وسلم- رأي الحباب بن المنذر في اختيار المكان لنزول الجيش، يدل على أهمية الاستعانة بالخبراء في تخصصاتهم، والاستفادة من آرائهم وخبراتهم وأن يتقبّل القائد والمسئول ما أبدوه من رأي بصدر رحب.

16. **الدعاء والتضرع إلى اللّٰه تعالى:**

ودعاء النبي -صلى اللّٰه عليه وسلم- وشدّة مناشدة ربه طوال ليلة الجمعة، مع أنه كان موقناً بالنصر ويطمئن أصحابه ويريهم مصارع القوم، هذه هي وظيفة العبودية والنبي-صلى اللّٰه عليه وسلم- أحق وأكثر من اتصف بها فإنها عبداللّٰه، ثم فيه إرشاد وتعليم وأسوة لأمته أن لا يتواكلوا عن العمل أو يتقاعسوا عن اتخاذ الأسباب حسب قدرتهم واستطاعتهم وبعد اتخاذهم الأسباب لا يغتروا بها فإنه لا يترتب عليها المسببات إلاّ بعون اللّٰه وقوته وتوفيقه وقدرته ولا ينال عون اللّٰه بشيء أكثر وأكبر من الدعاء.

ثم الدعاء أقوى سلاح المؤمن وقد أرشد الرسول -صلى اللّٰه عليه وسلم- أمته إلى استخدام هذا السلاح في مثل هذه الظروف العصيبة. وهو أحدّ السلاح وأعملها وأنفذها، ألاتسمع ما يقول اللّٰه سبحانه وتعالى ﴿إِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلاَئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ﴾(٥٥)

فكان الرسول -صلى اللّٰه عليه وسلم- وأصحابه المؤمنون بدعواتهم يوم بدر في مقام هو منتهى العبوديّة والذلّ والخضوع للّٰه، طرحوا أنفسهم على باب اللّٰه، فلم يكونوا بدعاء بهم أشقياء، فاستجاب لهم فوراً.

17. **البطر والرياء والخمر والغناء:**

وانظر أيها القارىء العزيز بجانب ذلك إلى كبر أبي جهل وغطر سته وتجبّره وشقوته في قوله: لن نرجع عن بدر أبدا حتى ننحر الجزر ونطعم الطعام ونسقي الخمر وتعزف علينا القيان وتسمع بنا العرب وبمسيرتنا وجمعنا فلا يزالون يهابوننا" ثم قارن بين نتائج الموفقين، فسوف تعلم علم اليقين أيهما أحب إلى الله وأقرب إلى النفس السليمة والفطرة المستقيمة، وألذ وأحلى ثمرة.

18. **القود بين القائد وجنوده:**

وفي إقادة النبي -صلى الله عليه وسلم- من نفسه لسواد بن عزيّة الأنصاري -رضي الله عنه-، والظروف غير عاديّة، والزمن "زمن الطوارىء" في التعبير الحديث لدلالات هامّة ذات مغزى، لابد أن نقف وقفة تأتي واعتبار، منها:

☆ أهميّة حقوق العباد أو بتعبير آخر: حقوق الإنسان فهي لا تلغى ولاتمنع ولا تسقط في أي ظرف من الظروف لأنها منحة ربّانيّة وليست هبة إنسانيّة.

☆ للجندي، والفرد العادي من الناس أن يطالب بحقّه من رئيس الدولة والقائد العامّ للجيش، ولو كانت الظروف والأزمنة طارئة غير عاديّة.

☆ ويجب على القائد أو الرئيس أو المسؤل أن ينقاد ويخضع لأنظمة العدل والمساوات لة أمام القانون وليست لهم أيّة حصانة شرعاً، تمنعهم من المثول أمام القضاء.

19. **الجوائز والوسامات للتشجيع:**

وما أجمل من أصل إنساني وقاعدة لإدارة الأفراد وما أحسنه من تشجيع على إنجاز المهمات أن يعلن القائد والأمير مسبقا عن جوائز ووسامات لمن أنجز

مهمة أو عمل ماله نكابة في العدو. ففي إعلان الرسول -صلى الله عليه وسلم- يوم بدر عن الجوائز دليل على مشروعية مثل هذا الإعلان المسبق كما أنه يجوز بل يستحب منح الأوسمة والجوائز بعد القيام بأعمال مهمة وفي كل تحفيز للهمم.

20. **وجود الملائكة وموالاتهم ونصرهم للمؤمنين:**

ولقد شارك الملائكة في القتال يوم بدر إلى جانب المسلمين، وفيه دليل على وجودهم، فهم خلق الله تعالى خلقهم من نور، يفعلون ما يؤمرون،وهم أولياء للمؤمنين ينصرونهم ويوالونهم ويقاتلون أعداء هم.

21. **الولاء للمؤمنين والبراء من المشركين:**

وكان النبي -صلى الله عليه وسلم- وأصحابه الكرام -رضوان الله عليهم -أجمعين باعوا أموالهم وأنفسهم لله وأخلصوا دينهم وولاء هم لله ولرسوله وقطعوا كل الروابط.

24. **الرحمة للبنت وحسن الوفاء للزوجة:**

أما رقة النبي -صلى الله عليه وسلم- عند وؤية قلادة خديجة - رضي الله عنها-فهو رحمة ورأفة لا بنتهازينب وعلى غربتها، ثم هو وفاء لزوجها المتوفاة السيدة خديجة -رضي الله عنها-

25. **حدود التصرف في بيت المال:**

وفي طلبه من الصحابة إعفاء أبي العاص بن الربيع من الفدية تأليف لقلوبهم أولا ثم هو إيذان للأمة جمعاء بأن حكامها ورؤساء ها وأمراء ها لا يملكون

التصرف في بيت المال بمايحقق مصالحه الشخصية، فإن أموال بيت المال ملك للجميع والتصرف في ملك الغير لا يكون إلا بإذنه صاحبه وفي مصالح تعود عليه. والله أعلم.

الهوامش

1. ال عمران:156
2. انظر: معجم مقاييس اللغة 423/4، ولسان العرب 123/15-125 والقاموس المحيط ص:1698 والعين 433/4-434 والمغرب 102/2-103، والمصباح المنير 447/2، والفائق في غريب الحديث 66/3، والنهاية في غريب الحديث/365-366
3. انظر: فتح الباري 279/7وقواعد الفقه 399/1
4. انظر: قواعد الفقه 399/1وفتح الباري 281/7
5. النظر: فتح الباري 8/7، 154/281والقوانين الفقهية لابن جزي 269/1-273والطبقات الكبرى لابن سعد 6-7/2
6. انظر: الإشارة إلى سيرة المصطفى ومن بعده من الخلفاء ص:197تصنيف: الحافظ مغلطائي بن قليج، تحقيق: محمد نظام الدين الفتيح، ط 1عام1416هـ- 1996م، دار القلم، دمشق، والدار الشامية، بيروت.
7. الأنفال:41
8. انظر: الفصول في سيرة الرسول صلى الله عليه وسلم ص: 128تأليف: الحافظ أبي الفداء إسماعيل بن كثير الدمشقي 701-774هـ تحقيق وتعليق: محمد العيد الخطرواي -محيى الدين مستو، ط6، عام 1413هـ- 1992م، دار التراث، المدينة المنورة، ودار ابن كثيرة، دمشق.
10. أخرجه مسلم، الصحيح، الجهاد والسير، باب ما لقي النبي من أذى المشركين والمنافقين:3351.
11. أخرجه ابن ماجه، السنن، الجهاد، باب السرايا:2818.
12. أخرجه البخاري، عن البراء بن عازب، في الصحيح، المغازي، باب عدة أصحاب بدر: 3662،

3661، 3663، 3664 والإشارة إلى سيرة المصطفى ص: 199، والفصول في سيرة الرسول -صلى الله عليه وسلم- ص:128-129

13. أخرجه مسلم عن عمر بن الخطاب في الصحيح، الجهاد والسير، باب الإمداد بالملائكة يوم بدر:3309و أحمد في المسند عن علي/، مسند علي بن أبي طالب رضي الله عنه: 904وانظر: الإشارة إلى سيرة المصطفى ص:199

14. انظر: المغازي للواقدي 200/1وأنساب الأشراف للبلاذري 312/1

15. أخرجه مسلم، الصحيح، الأمارة، باب ثبوت الجنة للشهيد: 3520وأحمد، المسند، مسند أنس -رضي الله عنه- 11949 والبداية والنهاية262/3

16. انظر: مسائل الإمام أحمد 80/1والkتفاء بما تضمنه من مغازي رسول الله 16/2والدرر 103/1وتاريخ خليفة بن خياط 63/1واثقات 152/1-153والطبقات الكبرى 496/3 ولاستيعاب 614/2-615ترجمة سعيد بن زيد:982و 765/2والترتيب الإدارية 361/1-362

17. هي نئر على بريد من المدينة انظر: شرح السيوطي على سنن النسائي.

18. أخرجه البخاري، الصحيح، المغازي، باب عدة أصحاب بدر: 3661وهذا لفظه وأحمد في المسند/ مسند البراء: 18159 وانظر:صفوة الصفوة 394/1الطبقات الكبرى:149/3الإصابة725/4 الترجمة: 6061المستدرك على الصحيحين 208/3معرفة الصحابة، ذكر مناقب عمير بن أبي وقاص:4864.

19. انظر: تاريخ دمشق لابن عساكر 96/31والثقات 152/1-153

20. النساء:95والحديث أخرجه الترمذي، السنن، التفسير، باب من سورة النساء: 3032 وقال: هذا حديث حسن غريب.

21. أخرجه مسلم، الصحيح، الجهاد والسير،باب الوفاء 3343وأحمد في المسند/، مسند حذيفة

بن اليمان -رضي الله عنه-:22265، 22283

22. راجع: مسلم، الصحيح، الجهاذ والسير،باب كراهة الاستعانة في الغزو بكافر:1817.

23. تقع على بعد75كيلو متر من المدينة المنورة

24. أخرجه أحمد في المسند411/1عبد الله بن مسعود رضي الله عنه:3807، بسند قال الحاكم: صحيح على شرط المسلم. المستدرك20/3وقال الهيثمي: رواه أحمد والبزار وفيه عاصم بن بعدلة وحديثه حسن، وبقية رجال أحمد رجال الصحيح.ر: مجمع الزوائد69/9

25. وهي قرية تعرف اليوم باسم "الواسطة" وهي وادي الصفراء يقع على بعد 51كيلومتر ويمتد إلى163من المدينة المنورة ويقع في هذا الوادي بلدة المسيجيد والخيف والواسط. انظر: معجم المعالم الجغرافية في السيرة النيوية ص:177

26. لا يزال وادي ذفران معرفا بنفس الاسم على طريق الحمراء-ينبع، يأتي الصفيراء أولا ثم ذفران ثم واسط إنظر: معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية ص:131

27. الأنفال:47

28. أخرجه البخاري، الصحيح، المغازي، باب قول الله: إذتستغيثون ربك:3658

29. أخرجه أبوداؤد، السنن، الجهاد،باب النفل:2737

30. أخرجه أبو داؤد، السنن، الجهاد، باب نفل السرية تخرج من العسكر:2747عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما

31. رواه الطبري في التفسير204/9عن هشام بن عروة

32. أخرجه مسلم، الصحيح، الجهاد والسير، باب الإمداد بالملائكة يوم بدر وإباحة الغنائم:3309عن بن عباس عن عمر رضي الله عنهم

33. الأنفال:9

34. الآية من سورة القمر: 46 والحديث أخرجه البخاري، الصحيح، الجهاد والسير، باب ما قيل

في رد ع النبي والقميص في الحرب:2699

35. أخرجه أحمد، المسند، مسند علي بن أبي طالب رضي الله عنه:904

36. انظر القصة في: الإصابة 218/3، وتاريخ الطبري32/2، والسيرة النبوية173/3-174

37. المستدرک على الصحيحن297/3كتاب معرفة الصحابة، ذكر مناقب أبي عبيدة بن الجراح رضي الله عنه:750والطبراني في المعجم الكبير 154/1، قتل أبي عبيدة رضي الله عنه أباه يوم بدر:360 وقال الحافظ الهيثمي في مجمع الزوائد 233/9، المناقب باب مناقب أبي عبيدة بن الجراح رضي الله عنه الحديث: 14909: رواه الطبراني وإسناده منقطع ورجاله ثقات. وحلية الأولياء101/1وسنن البهيقي الكبرى27/9وقال الحافظ ابن حجر في تلخيص الحبير 102/4 الحديث:1859:وهذا معضل وكان الواقدي ينكره ويقول مات والد أبي عبيدة قبل الإسلام.

38. المستدرک للحاكم 539/3الحديث:6004وسنن البهيقي الكبرى 186/8، باب ما يكره لأهل العدل من أن يعمد قتل ذي رحمه

39. انظر: المصنف لابن أبي شيبة، 373/7 وكنز العمال 10/، باب غزوة أحد: 30026 وتلخيص الحبير 01/4 المستدرک على الصحيحن539/3الحديث6005

40. انظر: الإصابة 98/3ذكر من اسمه سعيد، الترجمة:3270والاستيعاب622/2والتدوين في قزوين66/1-67والطبقات الكبرى لابن سعد31/5

41. نصب الراية403/3

42. المجادلة:22

43. الأنفال:48

44. أخرجه مسلم، الصحيح،باب استحقاق القائل سلب القتيل:3296

45. الأنفال:67

46. أخرجه أحمد، المسند، مسند ابن عباس رضي الله عنه:2217

47. أخرجه أبو داود، السنن،الجهاد، باب في فداء الأسير بالمال: 2692وما بين القوسين زيادة عند أحمد المسند،مسند عائشة رضي الله عنها:25830

48. الأنفال:48

49. أخرجه مسلم، الصحيح، المغازي،باب وفد بني حنيفة وحديث ثمامة بن أثال: 4034ومسلم، الصحيح،الجهاد والسير، باب ربط الأسير وجسه وجواز المن عليه:3310

50. أخرجه البخاري، الصحيح، المناقب،باب علامات النبوة في الإسلام: 3360وفي المغازي، باب ذكر النبي من يقتل ببدر:3656

51. آل عمران:126

52. البقرة:249

53. التوبة:128

54. الأحزاب:36

55. الأنفال:9

المصادر والمراجع

1. أحكام القرآن: أحمد بن علي الرازي الجصاص أبوبكر، (305-370هـ) دار إحياء التراث العربي، بيروت، سنة 1405هـ الأجزاء: 5المحقق: محمد الصادق قمحاوي.

2. الاستيعاب في معرفة الأصحاب، يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبد البر(463هـ) دار الجيل، بيروت، 1412هـ الطبعة الأولى، الأجزاء: 4 تحقيق:علي محمد البجاوي

3. الإشارة إلى سيرة المصطفى ومن بعده من الخلفاء ا تصنيف: الحافظ مغلطائي بن قليج، تحقيق: محمد نظام الدين التفيّح، ط 1عام 1416هـ، 1996م، دار القلم، دمشق، والدار الشامية، بيروت.

4. الإصابة في تمييز الصحابة المؤلف: أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي، تحقيق: علي محمد ابابجاووي، دار الجيل-بيروت، الطبعة الأولى، 1412هـ عدد الأجزاء:8.

5. الاكتفاء بما تضمنه من مغازي رسول الله والثلاثة الخلفاء، أبو الربيع سليمان بن موسى الكلاعي الأندلسي، تحقيق: د. محمد كمال الدين عزالدين علي، عالم الكتب -بيروت- 1417هـ الطبعة الأولى عدد الأجزاء: 4.

6. أنساب الأشراف لأحمد بن جابر البلاذري مصدر الكتاب: موقع الوراق:

http://www.alwarraq.com(كتاب مرقم آليا غير موافق للمطبوع)

7. البداية والنهاية للإمام الحافظ ابي الفداء اسماعيل بن كثير الدمشقي المتوفى سنة 774هـ. حققه ودقق أصوله وعلق حواشيه: علي شيري، دار إحياء التراث العربي، طبعة جديدة محققة الطبعة الاولى1408هـ، 1988م.

8. تاريخ خليفة بن خياط لخليفة بن خياط العصفري ت: 240هـ- 854م رواية بقي بن مخلد،

المحقق: حققه وقرم له الاستاذ الدكتور سهيل زكار، دار الفكر للطباعة والنشرو التوزيع، الطبعة: عام 1993م- 1414هـ

9. تاريخ مدينة دمشق وذكر فضلها وتسمية من حلها من الأماثل أو اجتاز بنواحيها من وارديها وأهلها، الامام العالم الحافظ أبي القاسم علي بن الحسن ابن هبة الله بن عبد الله الشافعي المعروف بابن عساكر(499-هـ-571هـ) دارسة وتحقيق: علي شيري، الطبعة الاولى دار الفكر للطابعة والنشر والتوزيع، 1419-هـ-1998م.

10. تاريخ الأمم والملوك ، محمد بن جرير الطبري أبو جعفر -دار الكتب العلمية- بيروت، الطبعة الأولى، 1407هـ، عدد الأجزاء:5

11. التدوين في ذكر أهل العلم بقزوين، الشيخ الامام العلامة أبي القاسم عبد الكريم بن محمد بن الرافعي القزويني (المتوفى: 623): مصدر الكتاب: موقع الوراق http://www.alwarraq.com

عام 1405هـ 1985-م تصحيح: خادم العلماء الشيخ عزيز الله العطاردي الخبوشاني.

12. التراتيب الإدراية لعبد الحي الكتاني الإدريسي الحسني الفاسي، دار الكتاب العربي، بيروت

13. تفسير القرآن العظيم، إسماعيل بن عمر بن كثيرالدمشقي أبو الفداء (774هـ) دار الفكر، بيروت، 1401هـ

14. تلخيص الحبير في أحاديث الرافعي الكبير، أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني، طبعة المدينة المنورة، 1384-1964 تحقيق: السيد عبد الله هاشماليمانى المدني، عدد الأجزاء: 2

15. الثقات لمحمد بن حبان أحمد أبو حاتم التميمي البستي (0-345هـ): دار الفكر، 1395هـ- 1975م الطبعة الأولى، الأجزاء: 9، تحقيق: السيد شرف الدين أحمد

16. جامع البيان عن تأويل آي القرآن، محمد بن جرير بن يزيد بن خالد الطبري أبو جعفر

224-319هـ) دارالفكر، بيروت، 1405هـ الأجزاء: 30

17. حلية الأولياء وطبقات الأصفياء ، أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصبهاني (المتوفى 430هـ) دار الكتاب العربي، بيروت، 1405هـ، الطبعة الرابعة، الأجزاء:10.

18. الدرر في اختصار المغازي والسير تأليف: ابن عبد البرمصدر الكتاب: موقع الوراقhttp://www.alwarraq.com

19. "زهرة الربى على المجتبى: "لجلال الدين السيوطي، مطبوع بذيل سنن النسائي المجتبى الطبعة الأولى، عام 1411هـ 1991-م دار المعرفة، بيروت.

20. سنن الترمذي، المؤلف: محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي (209-279هـ) دار إحياء التراث العربي ، بيروت، الأجزاء: 5تحقيق:أحمد محمد شاكر وآخرون

22. السيرة النبويّة: لعبد الملك بن هشام بن أيوب الحميري المعافري أبو محمد (213هـ) دار الجيل، بيروت، 1411هـ الطبعة الأولى، الأجزاء: 6، تحقيق: طه عبدالرؤف سعد.

23. سنن البيهقي الكبرى: لأحمد بن الحسن بن علي موسى أبو بكر البيهقي (384-458هـ) مكتبة دار الباز، مكة الكمرمة، 1414هـ - 1994م الأجزاء: 10، تحقيق: محمد عبد القادر عطا

24. الصحيح للبخاري: لمحمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي (194-256هـ) دار ابن كثير، اليمامة، بيروت، 1407هـ- 1987م الطبعة الثالثة، الأجزاء: 6، تحقيق: د. مصطفى ديب البغا

25. الصحيح: للإمام مسلم بن الحجاج أبي الحسين القشيرى النيسابوري (206-261هـ) دار إحياء التراث العربي، بيروت، الأجزاء: 5تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي

26. صفوة الصفوة عبد الرحمن بن علي بن محمد أبو الفرج (510-597هـ): دار المعرفة،

بيروت، 1399هـ- 1979م الطبعة الثانية، الأجزاء: 4، تحقيق: محمود فاخوري -د.محمد رواس قلعه جي

27. المعجم الكبير المؤلف سليمان بن أحمد بن أيوب أبو القاسم الطبراني (260-360هـ): مكتبة العلوم والحكم، الموصل، 1404هـ - 1083م الطبعة الثانية، الأجزاء: 20،تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفي

28. الطبقات الكبرى لمحمد بن سعد منيع أبو عبد الله البصري الزهري (168-230هـ): دار صادر، بيروت، الأجزاء:9

29. الطبقاب الكبرى (القسم المتمم لتابعي أهل المدينة ومن بعدهم): محمد بن سعد بن منيع الهاشمي أبو عبد الله (168-230هـ) مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة، 1408هـ، الطبعة الثانية، تحقيق: زياد محمد منصور.

30. العين، أبي عبدالرحمن الخليل بن أحمد الفراهيدي (100-175هـ): دار ومكتبة الهلال، عدد الأجزاء:5تحقيق: د. مهدي المخزومي ود. إبراهيم السامرائي.

31. الفائق في غريب الحديث، محمود بن عمر الزمخشري (467-538هـ): دار المعرفة، لبنان، الطبعة الثانية، عدد الأجزاء: 4، تحقيق: علي محمد البجاوي -محمد أبو الفضل إبراهيم.

32. فتح الباري لأحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي (773-852هـ): دار المعرفة، بيروت، 1379هـ الأجزاء: 13تحقيق: محمد فؤاد عبدالباقي، محب الدين الخطيب

33. الفصول في سيرة الرسول -صلى الله عليه وسلم - تاليف: الحافظ أبي الفداء إسماعيل بن كثير الدمشقي 701-774هـ تحقيق وتعليق: محمد العيد الخطراوي -محيي الدين مستو، ط6، عام 1413هـ- 1992م، دار التراث، المدينة المنوره،ودار ابن كثير، دمشق.

34. القاموس المحيط لمحمد بن يعقوب الفيروز آبادى (817هـ):

35. قواعد الفقه لمحمد عميم الإحسان المجددي البركتي : الصدف ببلشرز، كراتشي، 1407هـ- 1986م الطبعة الأولى

36. القوانين الفقهية لابن جزي محمد بن أحمد بن جزي الكلبي الغرناطي (693-741)

37. كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، المؤلف: العلامة علاء الدين علي التقي بن حسام الدين الهندي البرهانفوري المتوفى سنة 975هـ

ضبطه وشرح غريبه: الشيخ بكرى حيانى. صححه ووضع فهارسه ومفتاحه

الشيخ صفوة السفا، مؤسسة الرسالة، بيروت، طبعة عام 1409هـ- 1989

عدد الأجزاء:16

38. لسان العرب، محمد بن مكرم بن منظور الأفريقى المصرى (630-711هـ): دار صادر بيروت، الطبعة الأولى، عدد الاجزاء:15

40. مسائل الإمام أحمد لأحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد بن إدريس بن عبد الله (203-266هـ) الدار العلمية، دلهي، 1998م ، الطبعة الأولى، تحقيق: د فضل الرحمن دين محمد

41. المستدرک على الصحيحين المؤلف: محمد بن عبد الله أبو الحاكم النيسابورى (341-405هـ) دار الكتب العلمية، بيروت ، 1411هـ 1990م الطبعة الاولى، الأجزاء: 4تحقيق: مصطفى عبد القادر عطا

42. المسند للإمام أحمد بن حنبل أبى عبد الله الشيبانى (164-241هـ): مؤسسة قرطبة، مصر، الأجزاء:6

43. المصباح المنير في قريب الشرح الكبير للرافعي: أحمد بن محمد بن على المقري الفيومي (770هـ) المكتبة العلمية، بيروت، عدد الأجزاء:2

44. المصنف في الأحاديث والآثار. تأليف: أبو بكر عبد الله بن محد بن أبي شيبة الكوفي

(159-235هـ)مكتبة الرشد، الرياض، 1409هـ الطبعة الأولى، الأجزاء: 7 ، تحقيق: كمال يوسف الحوت.

45. معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، المؤلف: عاتق بن غيث البلادي، دار مكة للطباعة والنشر والتوزيع ساحة بمكة المكرمة، الطبعة الأولى عام 1402هـ =1982م

46. معجم مقاييس اللغة: المؤلف: أبو الحسين أحمد بن فارس بن زكريا المحقق: عبد السلام محد هارون، دار الفكر، الطبعة: 1399هـ1979م. عدد الأجزاء:6

http:www.alwarraq.com [الكتاب مرقم آليا غير موافق للمطبوع]

47. المغازى، المؤلف: الواقدى، مصدر الكتاب: موقع الوراق

48. المغرب في ترتيب المعرب أبو الفتح ناصر الدين بن عبد السيد بن على بن المطرز (538-610هـ) مكتبة أسامة بن زيد، حلب، 1979م الطبعة الأولى، عدد الأجزاء:2، تحقيق: محمود فاخورى وعبد الحميد مختار

49. نصب الراية المؤلف: عبد اللّٰه بن يوسف أبو محمد الحنفى الزيلعى، تحقيق: محمد يوسف البنوري، دار الحديث. مصر ، 1357هـ عدد الأجزاء:4

50. النهاية في غريب الحديث والأثر: أبو السعادات المبارك بن محمد الجزرى (544-606هـ) تحقيق: طاهر أحمد الزاوي، محمود محمد الطناحي عدد الأجزاء: 5، المكتبة العلمية، بيروت، 1399هـ-1979م.

القصة عند الجاحظ في كتابه البخلاء

(خصائصها وأسلوبها)

الدكتور فضل الله ☆

المقدمة:

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على سيد المرسلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين.

وبعد؛

فدائرة هذا البحث تدور حول عَلَم من أعلام الأدب العربي والثقافة الإسلامية وهو الجاحظ، الذي أدّىٰ دوراً بارزا في تنمية الأدب العربي وترقية المعارف الإسلامية، وأثرّ تأثيرا بالغاً بفنه وبلغته وبأسلوبه على اللاحقين. وقد ألّف الجاحظ كتبا عديدة ورسائل متنوعة في موضوعات مختلفة، ومن أهم كتبه "كتاب البخلاء" الذي أثّر على اللاحقين تأثيراً ملموساً، كما أنه فريد في موضوعه حيث أنه تناول نوعاً من الطبقة الإنسانية التى اشتهرت بالبخل.

وهذا البحث يحاول إلقاء الأضواء على الكتاب المذكور ببيان قيمته الفنية والموضوعية واللغوية وإبراز خصائصه وأسلوبه مع بيان مزايا الكتاب. نرجو الله تعالىٰ التوفيق والسداد.

حياة الجاحظ:

بادئ ذي بدءٍ لا بد من الإشارة السريعة إلى حياة الجاحظ بإيجاز شديد ثم تسليط الأضواء على الأسباب الرئيسية في تكوين شخصية الجاحظ.

☆ المحاضر بقسم اللغة العربية ، كلية اللغة العربية والدراسات الإسلامية،
جامعة العلامة إقبال المفتوحة ، بإسلام آباد

ولد أبو عثمان عمرو بن بحر بن محبوب المشهور بالجاحظ بالبصرة في أوائل سنة ١٥٠هـ/٧٦٧م. وكان جده زنجياً أسود.(١)

كان الجاحظ موسوعة ثقافية هائلة، فلم تغرب عن بصيرته شاردة ولا واردة من علوم عصره إلا ألّم بها وربما حفظها. سيطر على أدوات اللغة وامتلك أسباب الأدب فجرت العربية على لسانه فكراً خصباً وبياناً عذباً.(٢)

وقد ساعدت مجموعة من العوامل على إنضاج ثقافته وتكوين رصيده العلمي والأدبي والنقدي ومنها:

١. ما عاصره من أحداث سياسية ومذهبية واجتماعية، كما أنه تتلمذ على يد النظام (إبراهيم بن سيار) من زعماء المتكلمين المعتزلة فأثّر في قوة حجته والبرهان على أفكاره، وهو رغم إعجابه بأستاذه إلا أنه كان يتمتع باستقلال الرأي.

٢. ثم إن الشعوبية التي أطلت برأسها في العصر العباسي فجرت في نفسه الغيرة العربية، فهبّ لنجدة اللغة العربية من براثن المغيرين عليها وهم من قد نذروا أنفسهم للتقليل من شأن العرب والعربية زاعمين أن العرب بَدْو رُحَّل لا حضارة لهم ولاثقافة مثل الفرس والهند والصين.(٣)

وقد اجتهد الجاحظ في صد هذه الموجة العاتية التي تحاول طمس الهوية العربية وإحلال الثقافة الفارسية محلها، فدعا إلى التدوين لأنه بدونه تضيع حضارة الأمة وثقافتها، يقول "لولا الكتب المدّونة لبطل أكثر العلم ولغلب سلطانُ النسيان سلطانَ الذكر، ولما كان الناس فزع إلى موضع استذكار.(٤)

وقد تفنن الجاحظ في شتى فنون العلم، وتناول أيضاً مباحث الطبيعة والأحياء، وأجرى بنفسه تجارب في هذه المباحث، وإن اشتهر أنه يعتمد في ذلك على مايستقيه من

الكتب فحسب. وقد حاول المستشرق براون(٥) أن ينقذ كرامة الجاحظ العلمية باعتباره باحثاً طبيعيا فنبه على ماذكره في كتاب الحيوان على أساس ملاحظته الخاصة من أن النمل تأخذ من الحب الذي تدّخره للشتاء جزء الإنبات والتناسل لئلا يفسد ويتعفن.(٦)

فهذا إن دل على شيء فهو يدل على أن الجاحظ يبذل جهوداً مضنية في دراسة الطبيعة والأحياء.

إذا نظرنا إلى حياة الجاحظ بنظرة تأمل وتعمق فنجد أنها تنقسم إلى ثلاثة مراحل رئيسية:

١. **مرحلة الفتوة والطلب** (١٥٠ إلى ١٨٠ م) وهذه المرحلة من الولادة حتى ثلاثين سنة. وقد استفاد الجاحظ في هذه المرحلة من كبار الأساتذة من علماء البصرة والكوفة ومربد، حيث اختلف إلى ندوات الشعراء ومجالس الأدباء يأخذ عنهم ويجالسهم، وينا قشهم في البلاغة والأدب والشعر واللغة وكل ضروب المعرفة، تساعده على ذلك موهبته الأصيلة، وحافظته القوية، وذكاؤه المتوقد، وأمد طموحه وفقره بالمثابرة والقوة في التحصيل، كما كان الأحداث في عصره، وتطور الحياة والحضارة، والحركة والترجمة أثر في ثقافته وعقليته. وحذق الجاحظ اللغة والأدب والشعر، كما حذق علم الكلام وعلوم الدين، وألّم بالثقافات المترجمة ولم ينقطع عن القراءة، ولم يثنه فقره عن العلم، بل وجد فيه كل لذة، وأصبح ولوعا به، مشغوفاً بحياته من أجله(٧)

٢. **مرحلة الأستاذية والشهرة (١٨٠-١٩٧هـ)**

وهذه الفترة من حياة الجاحظ تبدأ وهوفي سن الثلاثين، وقد ألّف في هذه الفترة الكثير من الكتب، وجلس في صدر حلقات العلم والأدب، أستاذا وموجها

ومفيدا لجماهير العلماء والشباب الإسلامي.(٨)

وفي هذه المرحلة طارت شهرة أبي عثمان في البصرة والكوفة وبغداد وفي عواصم العالم الإسلامي بين الأدباء والمفكرين، وقام برحلات كثيرة إلى مختلف الحواضر الإسلامية.(٩)

٣- مرحلة المجد والزعامة الفكرية (١٩٨-٢٤٧هـ)

وهذه الفترة عبارة عن نصف قرن من الزمان، بلغ فيه أبو عثمان كل ما يمكن أن يطمح إليه أديب من مجد، ومايتمناه مفكر لنفسه من الإمامة والزعامة الفكرية في عصره.(١٠)

كان الجاحظ بشخصيته الجليلة، ومواهبه الكبيرة، وذكائه اللماح، وثقافاته الواسعة، وآثاره الفكرية والأدبية الخالدة، وبآرائه في شتى جوانب الدين والأدب والحياة؛ شعار مدرسة جامعة، ورمزاً على التبحر في العلوم، والتوسع في الآداب، والتفوق في فنون البلاغة وصفوف البيان.

مؤلفاته:

لقد كتب الجاحظ في شتى ألوان الأدب، كتب في : البيان، والنقد، والمقالة، والقصة، وفي الجوار والجدل، وفي السخرية والفكاهة.

وفي البيان له كتاب مشهور جداً باسم البيان والتبيين ، وفي القصة كتاب الحيوان والبخلاء.

وهناك كتب ورسائل متنوعة كتبت بيد الجاحظ منها:رسالة في بيان مذاهب

الشيعة ، وحجج النبوة وصناعةالكلام واستحقاق الإمامة، كتاب العبر والاعتبار، كتاب الأخبار، رسالة إلى الفتح بن خاقان، رساله فضائل الأتراک، ورسالة فخر السودان على البيضان، رسالة في العشق والنساء ، وكتاب العرس والعروس، رسالة في الحاسد والمحسود ورسالة كتمان السر وحفظ اللسان ورسالة تهذيب الأخلاق ورسالة القيان والقول في البغال ومنافعها وكتاب الفرق في اللغة ورسالة في البلاغة والإعجاز وكتاب التربيع والتدوير وغيرها من الكتب والرسائل الكثيرة.(١١)

إذا قرأنا كتب الجاحظ ورسائله فنجد أنه راعى مقتضى الحال حق الرعاية وتذوق الحياة حق تذوق، فقد كان صادقا في جده، كما كان قاسياً في هزله، فروح عن نفسه، وعمن كان يحف به ويعاشره، وعن قراء كتبه، وقد صرّح الجاحظ عن مزجه بين الجد والهزل قائلا: "إن الكلام قد يكون في لفظ الجد، ومعناه معنى الهزل ، كما يكون في لفظ الهزل ومعناه معنى الجد، ولو استعمل الناس الدعابة في كل حال، والجد في كل مقال ، لكان السفه صراحاً خيرالهم، والباطل محضا أرد عليهم، ولكن لكل شيء قدر، ولكل حال شكل، فالضحک في موضعه كالبكاء في موضعه، والتبسم في موضعه كالقطوب في موضعه فإن، ذممنا المزاح ففيه لعمري مايذم، وإن حمدنا ففيه ما يحمد.

أهمية الموضوع:

لاشک أن الدراسات الحديثة في الأدب العربي، قد تقدمت تقدماً كبيراً في السنوات الأخيرة على الخصوص، غير أن هذا التقدم لا يزال ناقصاً في مجموعه، وقاصرا على نواح دون نواح، وأول نقص يظهر للباحث في هذه الدراسات الحديثة، هو إهمال النصوص الأصلية أعني نصوص الأدباء والشعراء الذين هم موضوع البحث والدرس واتخاذ الأخبار التاريخية والأحكام النقدية القديمة وحدها تقريباً أساسا

للبحث الجديد.

وقد أصبح للنصوص شأن عظيم جداً في الدراسات الأدبية الحديثة في سائر الآداب الراقية وظهر أن هذه الطريقة التي تعتمد على النصوص كثيرة الفائدة عظيمة النتائج وأصبحت دراسة النصوص تنبى على الآراء والنظريات الجديدة التي وصل إليها البحث في علم النفس وعلم الاجتماع وفي الفن والأدب واللغة فينظر إلى النصوص أولاً من حيث كونها معبرة عن نفس قائلها دالة على مزاجه الخاص كاشفة من خلال ألفاظها ومعانيها عن نزعة الكاتب الفكرية وآرائه الخاصة وعواطفه وحالاته النفسية حين كتبها وأخرجها إلى حيّز الوجود.

فينظر إلى النصوص ثانياً من حيث صلتها بالعصر الذي ظهرت فيه وكونها معبرة عن بعض نزعاته مصورة لبعض أحواله الاجتماعية والاقتصادية والفكرية ومن حيث كونها تؤلف حلقة من حلقات تطور الفكر والفن ولها صلة وأثر فيما بعدها كما كان لما قبلها صلة وأثر فيها.

مثل هذه الدراسة على هذه الأسس النفسية والاجتماعية دراسة منتجة تفتح أمام الباحث آفاقاً جديدة وتؤدي به إلى اكتشاف حقائق هامة في تاريخ الأدب تتعلق بالكاتب الذي تدرس آثاره أو بالعصر والبيئة الّذين نشأ فيهما أو بهذه الآثار نفسها من حيث فكرتها ومكانها من تطور الفكر البشري أو النفس الإنسانية.

تفيد دراسة النصوص في معرفة تطور اللغة والأساليب وتحليل النصوص هي الطريقة الوحيدة لإيقاظ الشعور الأدبي وتنمية الذوق الفني بكشف الأسرار الكامنة وإبراز المحاسن المخبوءة.

من الملاحظ في الدراسات الأدبية أن جل اهتمام الباحثين مركوز على

الموضوعات الكبرى ذات الآفاق الواسعة والاهتمام من الموضوعات الصغيرة قليل جداً على الرغم أن الدراسات الكبيرة لاتتم إلا بتسليط الأضواء الكاشفة على الموضوعات الصغيرة. ولذا أردت أن ألقي الأضواء على هذا الموضوع؛ لأن الموضوع يتعلق بالتراث المجيد وبَعَلم من الأعلام البارزة الذي أُثني من الشرق والغرب. وأن الأدب الذى سنختاره هو الأدب الذى يتعلق بالمجتمع لأن آثار أبي عثمان عمرو بن بحر الجاحظ تشتمل على أحياء يعيشون، يأكلون ويشربون، يرحون ويغدون، ويفكرون ويشعرون، وتركت فيها الحياة آثار تياراتها المتضاربة؛ لأن الجاحظ من أولئك الأدباء الذين عاشوا في جوالحقيقة ولم يغرقوا في آفاق الخيال البعيدة، وكان مرهف الحس، قوي الشعور بكل مايصله بالحياة.

وفيمايلي نحاول التركيز على قيمة هذا الكتاب أدبيا لاسيما في ناحية فنه القصصي كما نسلط الأضواء على خصائص القصة وأسلوب القصة عند الجاحظ.

قيمة الكتاب

يحتل كتاب البخلاء مكانة مرموقة في دنيا الأدب وله قيمة اجتماعية وقيمة تاريخية فكرية وقيمة أدبية.

قيمته الاجتماعية:

نظراً إلى النمو الاقتصادي والرقي المعيشي في عصر الجاحظ وجُدت طبقة معينة وفقاً لقانون التطور الاجتماعي، وهذه الطبقة لا تبني مجدها وشرفها على النسب بل على المال، وهي تتألف غالبا من أناس عصاميين ليس لهم أولية في شرف النسب ولكنهم أحرزوا بفضل جدهم وحسن تدبيرهم نوعاً جديداً من الشرف.

وكتاب البخلاء يعرض علينا صورة حية لتلك الطبقة العصامية المتمولة في بغداد في العصر العباسي الأول؛ لأن الكتاب مجموع قصص وأحاديث موضوعها المال وأبطالها المتمولون ومن يلحق بهم ويجعل في طبقتهم.

ب. قيمة الكتاب تاريخيا وفكرياً:

إن التطورات التي طرأت على المجتمع الإسلامي في بغداد وغيرها من المدن الإسلامية نتيجة من اختلاط الحضارات والملل والشعوب أدّت تزعزع القيم التقليدية والكلاسيكية وحلّت قيم جديدة مكانها، فبعد أن كان المثل الخلقي الأعلى يتألف من عناصر أعظمها الشجاعة والكرم البالغ وبذل الأحوال والتضحية في سبيل مثل عليا معنوية أصبح المثل الأعلىٰ الجديد يقوم على قيم أخرى كالدهاء وحسن السياسة والتدبير والاقتصاد. ونشأت طبقة اجتماعية جديدة لها مثلها الأعلى الجديد وقيمها الخلقية الجديدة، وجعل الجاحظ هذه الطبقة وتصويرها موضوعا لكتابه. انفرد بمثل هذه الجرأة فقدم لنا في كتاب البخلاء صورة حية لهذا التطور وجعل كتابه هذا معبراً عن تلك النزعة الجديدة(١٢)؛ لأن كتاب البخلاء يتضمن نقاشاً أو دفاعاً عن القيم الخليقية الجديدة في مجال الحياة الاقتصادية فحسب ولهذا فإن لكتاب البخلاء في تاريخ الأخلاق ، وفي البحث في تطور القيم والمفاهيم الخلقية في المدن الإسلامية في العصر العباسي قيمة كبيرة.

جـ قيمته الأدبية:

يعد كتاب البخلاء أول كتاب أُلف في أدب الطبائع؛ لأن الكتاب حول طبيعة من طبائع الإنسان هو حب المال والبخل، وهو إحدى الصفات التي يتصف بها بعض

الناس كما يتصف بعضهم بالكرم. والغرائز النفسية الكثيرة مثل الجرأة والشجاعة والخوف وعلو الهمّة والذكاء والبلادة والفطنة والحماقة وغيرها يمكن أن تكون موضوعاً للآثار الأدبية، قصة كانت أوخبراً أورواية أوبحثا أوغير ذلك، وقد صنّف الغربيون الآثار الأدبية التي تعالج هذه المواضيع تحت فن واحد، سمّوه أدب الطبائع أو ادب السجايا (Literature of Caracter) وعنوا بدراسته من النواحي النفسية والاجتماعية والأدبية.

وكتاب البخلاء أول كتاب -فيما أعلم - جعل مؤلفه موضوعه مقصوراً على تصوير صفة واحدة وهي البخل ، صورها في شكلها النفسي الداخلي وفي مظاهرها المادية الخارجية. وقد أثّر هذا الكتاب على اللاحقين تأثيراً بالغا إذألف كثيرون من الأدباء بعد الجاحظ في هذا الفن الأدبي مقلدين له أومتأثرين به منها كتاب التطفيل وحكايات الطفليين وأخبارهم للخطيب البغدادي المتوفى ٣٦٣هـ، وكتاب الكرماء للحسن العسكري المتوفى ٥٩٣ هـ، والظرف والظرفاء لمحمد بن أحمد الوشاء المتوفى ٣٠٦، والحمقى والمغفلين والأذكياء لابن الجوزي. (١٣)

ولذا يرجع الفضل إلى الجاحظ في السبق إلى الكتابة في هذا النوع من الأدب النفسي او أدب السجايا من حيث موضوع كتابه وإلى التأليف في فن أدبي هو فن القصة. وفيمايلي نلقي الأضواء على مفهوم القصة وفوائدها ومكوناتها بإيجاز شديد ثم نتطرق إلى حالة القصة قبل الجاحظ.

مفهوم القصة:

القصة حادثة أو مجموعة من الحوادث المرتبطة ينتجها القصاص من الحياة، أو يتخيلها كما يمكن أن تجري في الحياة، بعد أن يختارلها أبطالها ومسرحها

وزمنها. فهي صورة مموهة من صور الحياة، يعرضها الكاتب بأسلوبه الخاص، متأثرا بتجربته وثقافته، هدفه من وراء هذا العرض التعبير عن نفسه وعن نظرته إلى الأحداث والناس وتفسيره الخاص الأصيل للحياة.

فلسفة القصة وفوائدها:

إذا نظرنا إلى مفهوم القصة فنجد أن فن القصة هو عمل القصاص في انتخاب الأحداث التي يرى أنها صالحة للتعبير عن فكرته وإحساسه. واختيار الأبطال الذين تهيئه ظروفهم وطباعهم ونظرتهم إلى الحياة، للتفاعل الحي العميق مع حوادث القصة والسرد الشائق في حبك هذه الأحداث وتعقيد مواقفها وتأخير الحلول حتى تبلغ الذروة، ليشوق القارىء ويفتنه فيدخل معه أغوار النفس البشرية، ويحلل نوازعها الأصيلة ، حتى يشرف به على تصفية هذه الأحداث والمواقف في الخاتمة ، فتستوى للقارئ اللذة والفائدة.

تتكون القصة من عناصر مختلفة منها:

الأحداث: ينتخب القصاص الأحداث من الحياة، وقد يستعين بخياله في تأليف هذه الأحداث وتطويرها والانتهاء بها إلى المواقف التي يريد أن يصورها. ويختار كاتب القصة الأبطال والشخصيات حسب متطلبات البئية. ويُلزم النقد الحديث التفاعل الحي بين الأبطال والأحداث ، وهذا ما يسميه النقد الحديث: (الصدق الفني) أي أن الحياة لو جاء ت بمثل هذه الأحداث لمثل هؤلاء الأبطال في مثل هذه الظروف من المكان والزمان، لكان يحتمل أن تجري على الطريقة التي جرت بها في خيال الكاتب، وتنتهي إلى الغايات التى انتهت إليها القصة. القصة صورة واقعية للحياة، فعناصرها حوادث مترابطة منتخبة من محيط الحياة تصلح أن تكون نموذجاً

يـمثل جانباً من جوانبها، وأبطال مختارون تهيئهم ظروفهم وطباعهم وتفسيرهم للحياة ، لـلتـفـاعـل الـحـي العميق مع هذه الحوادث وسرد فني لهذا التفاعل ثم تلوين مثير لهذا التفاعل بالحوار العميق المركّز والوصف الحار لمشاهد الحياة والمجتمعات.

القصة قبل الجاحظ:

كـانـت الـقـصـة كـظاهـرة إنسانية نشاطا ينشأ بالضرورة ويتطور منذ طفولة الإنسـان، ولـذا وجـدت كـظـاهــرة إنسانية وجدت منذ وجدت المجتمعات الإنسانية الـمــبكرة لتلبي حاجات نفسية واجتماعية ربما جمالية في ذلك الوقت. فهي تفسر كثيرا من الظواهر الطبيعية التي تحيط بالإنسان، وتجيب على كثير من أسئلته التي كان عـلـى الـفـلـسـفة أن تـجـيـب عـليها في مرحلة أكثر تأخراً. ونحن نطلق عليها اليوم اسم الأساطير والخرافات.(١٣)

وقـد كـان لـلـجـاهـلية قـصـص كثيـر، كان يروي حول النار التي يلتف حولها الـسـارون فـي الـلـيـل، يتـغـنون بها أمجاد قبائلهم ويتناقلون حوادث (أيامهم) وغزواتهم وكرام رجالهم، ويتندرون بجبن الجبناء ومغامرات الصعاليك.

ثـم جاء الإسلام بأحداث عجيبة وأبطال جدد، وبفتوحات وغزوات، وجاء قبل هذا كله بالقرآن، وفي القرآن قصص فني حقيقي ويكاد يكون كثير من أحاديث الرسول -صلى الله عليه وسلم- تـفـسيـر القصص صغيرة حية. وقد كان رجال معينون في شتى المدن الإسلامية يقصون قصص القبائل المختلفة وأمجادها وحروبها.

ثم جاء القرن الثاني، وبدأت العقلية العربية مباشرة للعقلية الأجنبية، وترجمت كتـب اليـونان والهند والفرس، واشتد هذا النشاط حتى نقل (ابن المقفع) كليلة ودمنة؛

وهو قصص رمزي أحبه العرب، لأنه شديد الصلة بأساطيرهم عن الحيوانات.(١٥)

وفي القرن الثالث، بدأت الحضارات المترجمة تؤتي ثمارها بعد أن أخضعت لشروط العمر، وأخضع كبير من جوانبها لشروط اللغة العربية، فظهرت بواكير الانتاج العربي الفني الذي يصور ظواهر الحياة الإسلامية وخفاياها، بعد أن اضطربت وتشابك وارتقت.

ووضعت في هذا القرن الموسوعات الأدبيه الكبيرة: (عيون الأخبار) و(الحيوان) و(البيان والتبيين) وغيرها كما وضع (الطبري) و(اليعقوبي) وفي هذا الموسوعات قصص كثير يصور الحياة الإسلامية الخصبة وفي هذا القرن كتب الجاحظ أيضاً كتابه (البخلاء)

القصة عند العرب القدامىٰ عبارة عن حكاية حادثة من الحوادث، جرت في ظروف معينة من الزمان والمكان، ونهضت بها شخصية من الشخصيات. وهي تُحكى لاستخلاص العبرة أوالتسلية، أولتصوير هذه الشخصية في الناحية التي يريدها صاحب القصة، فهي إذن لاتكاد تتطلب من الكاتب أن يعمل خياله إلا في أحكام بعض التفاصيل وإضافة بعض الألوان في تصوير المشاهد ووصف الاستجابات والشخصيات المختلفة.

والسؤال الذي يطرح نفسه هو هل وقف الجاحظ عند هذه الحدود المذكورة في كتاب البخلاء عندها أم تخطاها؟

على الرغم أن معظم نقاد الأدب العربي يشيرون إلى ميل الجاحظ إلى السخرية والإضحاك، وبراعته في الوصف التصوير. فهم لا يرون فيه أكثر من

نوادروحكايات جميلة عن البخل والبخلاء.

ولكن عند التأمل والتأني في كتب الجاحظ يتضح إلى أن الجاحظ كتب البخلاء استجابة لنزعته الفنية الخالصة في الوصف والتصوير ورصد المشاهد المضحكة. وهي النزعة التي اتجهت عنده اتجاها اجتماعيا رائعا.(١٦)

والكتاب في مجموعه تصوير في بئيات مختلفة في خراسان والبصرة وبغداد وفي أزمنة مختلفة، هي الأزمنة التي عاش فيها أبطال الكتاب وشخصياته. وقد صور الجاحظ حياة الطبقة (البرجوازية) التي نشأت في بعض الأمصار الإسلامية نتيجة الازدهار الاقتصادي في المجتمع الإسلامي، فقد نشأت طبقة من المتمولين منها انتزع الجاحظ شخصياته في البخلاء.

وهذه الطبقة غنية حققت بغناها ذاتها وصورت مثلها، ونظرتها إلى الحياة، فاشتد حرصها على المال وساعد الجو الفكري المذهبي على التعبير عن هذا الحرص تعبيراً مذهبيا.

قد صور الجاحظ هذا المجتمع بقوة ملاحظته ووضّحه وحلّل مظاهره، فأقبل على الموضوع بجمع الحكايات والقصص والنوادر والاحتجاجات ، ويعيد كتابتها بأسلوبه الخاص، فيلّون المشاهد، ويحلّل النفوس ومظاهر السلوك ويغنيها بالتفاصيل الوصفية الدقيقة: حركات اليد والوجه والعين والفم. ويصنع الحوار الفني المترابط المركز، ويستعين بموهبته في الإضحاك والوقوع على مثيرات الضحك في الكلمة والطبع والإشارة، فيثيرها، ويعطي في خلال ذلك نظرة إلى الحياة والإنسان، ويكتب هذا كله بلغته الطبيعية البسيطة التي تأخذ من الحياة حرارتها، ومن المجتمع كثيرا من تعابيره وأسلوبه في الإشارة والتسميات، وطرق التخاطب والحوار.

ومن المعلوم أن البخل من الطبائع المثيرة التي تثير قصصها المضحك. والجاحظ شديد الولوع بالمرح والضحك، ورصد مظاهر الحياة ومفارقاتها، والسبب أنه يأخذ الحياة من جانبها الطلق الواسع. وقد وسع (الكلام) في الفلسفة والجدل نظرته إلى الناس والأحداث، فهو شديد الإقبال على الحياة، ويأخذ منها ويعطيها في حب ونهم، وقد رضي بالحياة كما رآها، خيرها وشرها معا. وهذا كله أعانه على أن ينظر إلى الحياة من جانبها الغني، فيرصد هذه المفارقات، ويضحك منها.

ومعنى هذا أن الجاحظ قد تجاوز حدود القصص في كتب النثر الفني إلى العصر الذى كتب فيه الجاحظ. وقد سبق الجاحظ في هذا الكتاب بحيث أنه انتزع القصص من الحياة ذات جذور واقعية أو أسطورية فاستوحاها، أورآها، أوسمعها فعاشها، ثم أداها تأدية فنية وأضفى عليها من نفسه وخياله وعاطفته ، ونظرته إلى الأحداث، وتفسيره لها ما جعلها تكشف عن حقائق انسانية عامة خالدة.

خصائص القصة عند الجاحظ:

بعد القراءة الدقيقة والعميقة لكتاب البخلاء يمكننا أن نلخص خصائص القصة عند الجاحظ بمايلى:

١. الواقعية: (The Realism)

إن موضوع قصص الجاحظ مأخوذ من الحياة الواقعة. والواقعية في الأدب هي أن ينتزع الكاتب من الحقيقة الراهنة والحياة الواقعة عناصر موضوعه، ولا يشترط في الواقعي أن يكون واقعا بالفعل بل يكفي أن يكون له في الحياة نظائر وأن تستمد عناصره وتؤخذ تفاصيله من الحقيقة الواقعة وإن لم تكن هذه العناصر والتفاصيل مجتمعة في الحقيقة على الشكل الذي جعلها الكاتب فيه.

وقصص الجاحظ جميعها من هذا النوع من حيث موضوعها وتفاصيلها لأن أبطال قصصه هم ناس من مخلوقات الله بين قاض أو عالم أو تاجر أو غزّال أو صانع أو مغن أو أعرابي ومن سكان البصرة أو بغداد أوغيرهما. وكذلك مسرح القصة أو المكان الذي تجرى فيه، فهو الغالب محدد تحديداً كافياً من دار أوبستان أو مسجد من مساجد البصرة. وأما العصر فهو عصر الجاحظ أى العصر العباسى الأول. وأما الزمان الخاص الذى تجرى أثناء القصة فقد يحدده حين الجاحة. (١٧)

ولكن ميزة الجاحظ هو عدم الاكتفاء بتعيين الأبطال وتحديد مكانها وزمانها بل اهتم أيضاً بالتفاصيل الدقيقة والحوادث الصغيرة. وقد سلّط أضواءً ا كاشفاً خلال تفاصيله على كثير من نواحي الاجتماعية من العادات والأخلاق مثل المأكل والمشرب وضيافتهم وأفراحهم وأحزانهم.(١٨)

٢. التصوير:

قد عنى الجاحظ بتصوير الأشياء المادية عناية بالغة، وحدد كل شيء مذكور في قصصه بذكر نوعه وجنسه ، فمثلاً إذا عرض ذكر الطبخ لم يفته أن يذكر الخل والتوابل والثوم حتى الحطب.(١٩) ويقول في موضع آخر"إن القاضي حمل غداء ه في منديل فيه جرد قتين وقطع لحم سكباج مبرد وقطع جبن وزيتونات وصره فيها ملح وأخرى فيها أشنان وأربع بيضات ليس منها بد"(٢٠) وقد حوى كتاب البخلاء لكثير من أسماء الأطعمة المعروفة لذلك العهد وأنواع الألبسة والآلات والأدوات.

العنصر السائد في قصص البخلاء هو عنصر التصوير، تصوير شخصية البطل وتصوير الشخصيات وتحليلها. والحوار والوصف والتصوير كلها وسائل يستخدمها

الكاتب في تحليل شخصية البطل وتصوير مزاجه وطبيعته واستجاباته ومظاهر سلوكه، حتى ترى قصة شبيهة باللوحة المصورة؛ لأنه اهتم بتصوير الهيئات والحركات وأبدع فيها أيما إبداع، وقد صور في قصة جماعة على مائدة يخيل ينتظرون أن يأتيهم بالخبز ليتموا أكلهم "فأكل كل إنسان رغيفه إلا كسرة ولم يشبعوا فيرفعوا أيديهم ولم يغذوا بشيء فيتموا أكلهم والأيدى معلقة وإنما هم في تنفير وتنتيف".

وهذه الدقة في تصوير الأشياء ذات قيمة عظيمة في سائر أدب الجاحظ؛ لأن الأديب مثل المصور البارع الذي يصور منظراً من المناظر يتميز به عن كل منظر من جنسه بما يكتشف فيه الخصائص المميزة والسمات الذاتية بسبب دقة إحساسه يشعر أمام كل واحد من المناظر المتشابهة والصور المتحاكية والأنغام المتقاربة بشعور خاص. بما أن الجاحظ فنان قوي بجميع المعايير وعنده قوة خاصة في إدراك دقائق الأشياء والشعور بمميزاتها الخاصة.

٣. التحليل النفسي:

لاتقف واقعية الجاحظ عند تلك التفصيلات الدقيقة والظواهر الحسية بل تستند إلى تحليل نفسي واجتماعي وتصوير لبعض الأحاسيس والعواطف. ونجد في كتاب البخلاء تحليلا لبعض النفسيات الخاصة أو لبعض العواطف أو الطبائع الإنسانية البخل والكرم أو لبعض الإحساسات أو العواطف العارضة كا لغضب والغيظ والسرور.

وقد سلك الجاحظ في التحليل النفسي مسلك تصوير المظاهر المادية وتمثيل الحركات الحسية فجعل لكل حالة نفسية شكلا ماديا تبرز وتتجسم فيه كما فعل في قصة الطفيلي.(٢١)

فقد رسم الجاحظ صورة الطفيلي النهم، وهذا التصوير ما يتعلق بهيئة الرجل الخارجية في مجالسته ومؤاكلته فوصفه بكثرة الأكل وكثرة الحركة وقذارة المؤاكلة، ومنه ما يتعلق بنفسيته وخلقه فوصفه بالبخل والتطفيل وسوء الأدب ؛ ثم جعل صورة ابنه من متممات صورته. وقد وصف في هذه القصة القصعة وما فيها وشكلها وما يكللها من عظم ولحم ثم يصف وضع الطفيليين ثم ينتقل إلى وصف الأثر الذي أحدثه هذا المنظر في ثمامة صاحب الدار.

وقد يعرض الجاحظ أفكار علمية هامة في الأخلاق فمثلاً يعلل نشوء الصفات الخلقية بالحالة الاقتصادية المادية:

"لأن من كان في الترف والكفاية وكان مغموراً بسكر الغنى كثر نسيانه وقلت خواطره ومن احتاج تحركت همته وكثر تنقيره. وعيب الغنى أنه يورث البلادة وفضيلة الفقر أنه يبعث الفكر....(٢٢)

٤. الهزل والدعابة:

قد سيطرت الروح الهزلية والدعابة في أدب الجاحظ وفاق في هذه الناحية من أدباء العربية. وقد كثر هذا الأسلوب في القصة؛ لأن القصة أحوج من غيرها إلى الهزل والضحك وهذه الصفة لا تُخِلُ بالواقعية إذ الحياة عبارة عن الجد والهزل وللكاتب الخيار في انتخاب ناحية من نواحي الحياة تتفق وطبعه وتلتئم ومزاجه.

والضحك في الأحوال العادية إنما يتولد عن تغيير خاص في النسب المعهودة بين الأشياء. والتغير في النسب قد يكون في الأشياء الحسية الظاهرة فيضحك الإنسان من بعض الأوضاع الغريبة الشاذة والهيئات المتناقضة أو الأقوال

الـمـوضـوعة فـي غيـر مـواضعها المعروفة. وقد يكون هذا التبدل في النسب في الأمور الـمـعـنـوية والـنـفسية فنضحك مثلاً من بعض التفكيرات الغريبة والتصرفات الشاذة. ونحن نجد في قصص الجاحظ النوعين كليهما.

5. الذاتية:

عـلـى الرغم أن معظم قصص الجاحظ خالية عن التعليقات والملاحظات إلا أن إمعان النظر والتعمق في أدبه يرشدنا إلى أن الجاحظ قد أظهر رأيه في كثير من المواطن بـطـريق خفي وذلك بأن أعطانا عن الشخص الذي يريد تهجين أمره والتنفير من صفته ونقد خلقه صورة قبيحة أو هزلية مضحكة وكأنه ينظر إلينا من وراء ستار رقيق مشير إلى قبح الصورة التي يعرضها بابتسامة خفيفة لاذعة. ولأبي عثمان تعليقات صريحة أيضاً في بعض القصص، ولكن هذه التعليقات إن هي إلا استدراكات على القصة لتتميمها. (٢٣)

مـن المعلوم أن المذهب الواقعي (Realism) مبـني على الاستمداد من الحياة الـواقـعة وعـلـى دقة التـصـويـر وعـلـى التـجـرد مـن آراء الـكاتب الصريحة وتعليقاتـه الشخصية.

وقـد وضع الجاحظ في كتابه قواعد وأسسا تشبه قواعد المذهب الواقعي وبين منهجه في الكتاب. (٢٤)

يـمكن لنا بعد كل هذا أن نقول إن للجاحظ مذهب واقعي وأنه صوّر تصوير ما كان واقـعـا بـالـفـعل أو ما يجوز أن يقع مثله. وهو الفنان القوي الشعور والملاحظة. وأن له طريقة خاصة في أديه.

أسلوب الجاحظ في القصة:

من المعروف أن الجاحظ اشتهر بأسلوبه المبتكر، وكل من قرأ مؤلفاته يجد لوناً خاصاً وطعماً متميزاً في أسلوبه، وفيمايلي نركّز خصائص أسلوبه في القصص لاسيما في كتاب البخلاء.

ا . الواقعية:

كما ذكرنا سابقاً أن الواقعية من أهم خصائص الجاحظ، وأسلوبه أيضاً يتميز بواقعية. وهذه الواقعية تتجلى في الألفاظ والتراكيب وصيغ الكلام وروحه العامة.

(ل) الألفاظ :

قد استخدم الجاحظ ألفاظاً حية، وهي بنت الحياة لابنت الكتب، فهو يستعمل الألفاظ الشائعة والمعروفة، حتى إننا نجد بينها ما يزال مستعملا إلى اليوم في لغتنا العامية فمن ذلك:

قوّر الرغيف إذا أخذ أو ساطه وترك حروفه، ونتر يده من أيدينا، والشرب على الريق، والترويح بمعنى التعجيل، والعلالي للغرف العالية. ومن هذا يتضح أن الجاحظ كان واقعيا في استخدام ألفاظه.

(ب) التراكيب:

الواقعية أوضح بكثير من واقعيته في الألفاظ، فقد وضع الجاحظ على لسان كل إنسان ما يشاكله من الألفاظ والتراكيب كما جعل لكل ظرف وحالٍ وأسلوبا مناسباً، فإن كان من طبقة العلماء والبلغاء أجرى على لسانه الألفاظ البليغة والتراكيب

الجزلة المتينة، وإن كان خادما أو سوقيا أجرى على لسانه من الكلام ما هو به أشبه وأليق، وإن كان الحديث في بيع أو شراء أو ما يشبها من الأمور البسيطة والمعاملات اليومية جعل الكلام بسيطا سهلا ، وراعي كذلك في ترتيب أجزاء الجملة وفي صيغ الكلام وتقطيع الجمل ما يراعيه الإنسان في كلامه في مثل تلك الأحوال.

فإن كان المتكلم من طبقة القضاة أو المتكلمين أو أشباههم وجدت في كلامه أثرا من أسلوب الفقهاء كما يواجهك منطقهم وقياسهم.

"قال أبو نواس: كأن معنا في السفينة ونحن نريد بغداد رجل من أهل خراسان، وكان من عقلائهم وفهمائهم، وكان يأكل وحده، فقلت له: لم تأكل وحدك؟ قال : ليس على في هذا الموضع مسألة إنما المسألة ، على من أكل مع الجماعة لأن ذلك هو التكلف أو أكلي وحدي هو الأصل وأكلي مع غيري زيادة في الأصل(٢٥)

والأمثلة التي تمثل هذه الناحية كثيرة في كتاب البخلاء حتى إن الجاحظ ذهب إلى أبعد من ذكل فأجاز رواية اللحن والخطأ في القصص والنوادر الأدبية إذا كان اللحن والخطأ في كلام قائلها. وهذه الطريقة في مراعاة حال المتكلم والمناسبة في الأسلوب متبعة معروفة في الأدب الواقعي ووضح رأيه عن هذا الموضوع قائلاً:

"وإن وجدتم في هذا الكتاب لحنا أو كلاما غير معرب، ولفظا معدولا عن جهته، فاعلموا أنا تركنا ذلك لأن الأعراب يبغض هذا الباب ويخرجه من حده إلا أن أحكي كلاماً من كلام متعاقلي البخلاء وأشحاء العلماء كسهل بن هارون وأشباه .(٢٦)

نجد لغة العصر حية واضحة في أسلوب الجاحظ، وأنه يعطينا أمثلة صادقة عن لغة عصره في المحادثة والمناظرة والمناقشة.

٢ـ دقة التعبير:

اشتهر الجاحظ بدقة التعبير عن المعانى الحسية والنفسية في الألفاظ والتراكيب. فهو يستعمل الألفاظ التي تخصص مدلولاتهابها ولا تتناول سواها بقدرما تسمح له اللغة بذلك فإذا ذكر آلة أو أداة أوطعاماً أو لباساً أو شيئاً من هذه الأشياء المادية ذكرها باسمائها الخاصة وفرق بهذا التخصيص بين أنواعها المختلفة فمن ذلك:

الشبوطة والجوافة والشلقة لضروب من السمك، والمسرحة والمصباح والقنديل لما يستصبح به، والصمّام لما تسد به القوارير، والمبطنة ، والقميص، والكساء، والجبة والبَرَنكان والقلنسوة لأنواع من اللباس.(٢٧)

ونجد هذه الدقة أيضا عنده في استعمال الألفاظ للدلالة على عمل بعينه أو على هيئة أو وعلى حالة خاصة ومن ذلك:

التقدير والتفتير والتنتيف (للرغيف) ونشيش اللحم لصوته حين القلي ونتر يده(٢٨) ومن ذلك قوله أيضاً في وصف نهم أكول(٢٩) "وكان إذا أكل ذهب عقله، وجحظت عينه وسكر، وسدر، وانبهر ووتربد وجهه، وغضب، ولم يسمع، ولم يبصر"(٣٠)

وقد يتوصل الجاحظ إلى التخصيص بالنعت وإلى التقييد بالإضافة كقوله في وصية والد بخيل لولده(٣١) : "وكان إذا كان يوم الرؤوس أقعد ابنه معه على الخوان إلا أن ذلك بعد تشرّط طويل وبعد أن يقف به على ما يريده وكان فيما يقول له:

إيّاك ونهم الصبيان وشره الزراع وأخلاق النوائح ودع عنك خيط الملاحين والفعلة ونهش الأعراب والمَهَنة ..... واعلم إنه إذا كان في الطعام شيءٍ طريف ولقمة كريمة ومضغة شهية فإنما ذلك للشيخ المعظم والصبي المدلل ولست واحد منهما .....

أى بني: عوّد نفسك الأثرة ومجاهدة الهوى والشهوة، ولاتنهش نهش الأفاعي، ولا تخضم خضم البراذين، ولاتدم الأكل إدامة النعاج، ولاتَلْقم لَقْم الجمال".

٢. التنفّـنن والتنوع:

كان الجاحظ فناناً سليم الذوق يتجنب من التكرار الممل، فيتفنن في التعبير وينوّع أساليب الكلام فمن ذلك قوله: "وكانا يشتهيان الغرائب ويقترحان الطرائف ويكلفان الناس المؤن الثقال ويمتحنان ما عندهم بالكلف الشداد"(٣٢)

وقوله: ولقد أكلته جميعا فما هضمه إلا الضحك والنشاط والسرور فيما أظن، وقوله على لسان بخيل ان الجاحظ لامه على بخله بالطعام: "..... فإن كان لا بد من المؤاكلة، ولا بد من المشاركة فمع من لا يستأثر عليّ بالمخ، ولا ينتهز بيضة البُقيلة(٣٣) ، ولا يلتهم كبد الدجاجة، ولا يبادر إلى دماغ رأس السلاءة.(٣٤)

وطريقة الجاحظ هذه ليست من قبيل تكرار المعنى مع تنويع التعبير وإنما هو تفنن أيضاً في تقليب الفكرة على وجوه شتّى ومحاولتها من نواح مختلفة وإن كانت متقاربة وهذا الضرب من التفنن في المعانى والتعبير.

الخـــلاصـــة

إن الجاحظ قد استقى قصصه من منهل الحياة، وعرض علينا من ذلك المسرح الواسع مشاهد وحوادث انتقاها من بيئات خاصة، وانتخب أبطالها من طبقات معينة من مدينة بغداد في عصره، وسلك فيها مسلك التصوير الدقيق للهيئات والأوضاع والأشكال، وهي في الغالب هيئات مضحكة وأوضاع هزلية. ولكنها غنية

بما فيها من تحليل لدخائل النفوس وتصوير لمختلف العواطف التي تجيش بها الصدور في شتى المواقف والظروف؛ وتظاهر في هذا التصوير بالوقوف موقف المصور الناقل، فجرد القصة عن رأيه الشخصي فيما يعرضه من أخلاق وعادات، اللهم إلا ما يبديه أحياناً من وراء سخريته وابتساماته من نقد خفي. وصاغ تلك الصور والمشاهد في أسلوب فني واقعي، يتلوّن حسب الظروف وأحوال المتكلمين ، غني بمفرداته، دقيق في دلالته، واضح في معانيه، مليء بالصور البديعة، هزليّ في لهجته وروحه ويستحق الجاحظ أن يعد فناناً مبتكراً وعبقريا مبدعاً.

الهوامش

١. ينظر ترجمته في الأنباري نزهة الألباء ، ص: ٢٥٤. ٢٥٩. وابن خلكان، أبو العباس شمس الدين محمد بن أبي بكر (ت: ٦٧٩هـ)، وفيات الأعيان، تحقيق: احسان عباس، الدكتور (دار صادر، بيروت، لبنان، التاريخ (بدون) ص: ٤٧٩.

٢. ينظر الخطيب البغدادي الحافظ أبو بكر أحمد (ت:٤٦٣هـ)، تاريخ بغداد، (مطبعة السعادة) جـ:١٢، ص:٢١٨. ٢٢٠.

والشهرستاني عبد الكريم (ت:٤٧٩هـ)، الملل والنحل ، (دار الفكر، بيروت، قم. ايران) ص:٨٢ جـ:٥٢. ٥٣)

٣. د. محمد مصطفى هداره، مقالات في النقد الأدبي (مصر، مطبعة مصطفى البابي الحلبي ١٩٣٨م)ص:٢٦.

٤. الجاحظ، الحيوان ، تحقيق وشرح عبد السلام محمد هارون (مصر، مطبعة مصطفى البابى الحلبى١٩٣٨) ، جـ: ١، ص: ٤٧١.

٥. E.G Brown, A Litrary History of Persia, iv 440.

٦. ينظر كتاب الحيوان جـ:٥، ص: ٥١، وكارل بروكلمان، تاريخ الأدب العربي، تعريب: الدكتور عبد الحليم النجار (دار الكتاب الإسلامي، قم. إيران ط:٢) جـ:٣، ص:١٠٨.

٧. ياقوت الحموي. شهاب الدين بن يعقوب (ت:٦٢٦م)معجم الأدباء المعروف بإرشاد الأريب إلى معرفة الأديب، تحقيق: د. س مرجليوث (مطبعة هندية بالمواسكى بمصر ١٩٢٨م)، جـ:٦، ص:٥٦. ٨٠، والبغدادي، عبد القادر عمر (ت:١٠٩٣م) الفرق بين الفرق، ص:١٦٠. ١٦٣. و تاريخ الأدب العربى لكارل بروكلمان جـ:٣، ص: ١٠٩.

٨. ينظر التفصيل في معجم الأدباء لياقوت ، جـ:٦، ص: ٦٠.

٩. ينظر التفصيل في الحيوان جـ:٧، ص: ٤٤٢، ومحمد أمين ضحي الإسلام جـ: ١، ص: ٤٠٩.

١٠. معجم الأدباء لابن خلكان ، ص: ٤٧٩ واليافعي عبد الله بن أسعد (ت:٧٦٨هـ) مرآة الجنان وعبرة اليقظان في معرفة ما يعتبر ما حوادث الزمان (حيدر آباد، دكن، ١٣٢٩م) لليافعي ج:٢، ص:٢، ص:١٦٢.١٦٦.

١١. ينظر مزيداً من التفصيل عن مؤلفات الجاحظ وتاريخ الأدب العربي، لبروكلمان ،جـ: ٣، ص: ١٢٣ ونزهة الألباء، ص: ٢٥٤.٢٥٩، والسيوطي، جلال الدين (٩١١هـ) بغية الوعاة في طبقات اللغويين والنحاة، تحقيق: عبد الوهاب عبد اللطيف (دار الكتب الحديثة القاهرة، ١٩٦٦م) ، ص:٣٦٥.

١٢. ينظر كتاب البخلاء ص:٨٠، وما بعدها. (مكتبة النشر العربي بدمشق ١٩٣٨م)
ينظر الأدب العربي في آثار الدارسين (النثر في العصر العباسي) لموسىٰ سليمان (دار العلم للملايين، بيروت، ١٩٦١م) ص: ١٩٦.

١٣. ينظر ابن النديم أبو الفرج محمد بن يعقوب إسحاق (ت:٤٢٨هـ) الفهرست، تحقيق: رضا تجدد(دار المسيرة، بيروت، ط:٢، ١٩٨٨م) ص: ١١٤ وياقوت الحموى، معجم الادباء ج:٥، ص:٧٣.

١٤. ينظر التفصيل يوسف الشاروني، القصة تطوراً وتمرداً (الهيئة العامة) لقصور الثقافة، ١٩٩٠م) ص:٢٦ و ينظر ادب القصصى عند العرب، سليمان موسى (بيروت، دار الكتاب اللبنانى، ط:٢، ١٩٥٦م)

١٥. ينظر القصة تطوراً وتمرداً، ص:٥٥.

١٦. ينظر البخلاء:٤.

١٧. ينظر كتاب البخلاء، ص: ٤٣، ٦٣، ١٩٥، ١٩٦

١٨. ينظر : ص: ١٢٦، رسالة من المؤجر إلى المستأجر وفى ص: ٣٥، اتخاذ المسارج وفى ص: ١٢٦ عادات غير المسلمين في ألبستهم وأسمائهم وفى ص: ٨١ طرق الاحتيال وأنواع المحتالين.

١٩. ينظر البخلاء ، ص: ٤٠.

٢٠. المصدر نفسه، ص: ٤٣.

٢١. ينظر كتاب البخلاء، ص: ٣٠٩.

٢٢. ينظر كتاب البخلاء، ص: ٢٧٨.

٢٣. ينظر ص: ٢٠٩، ٢٢١.

٢٤. ينظر البخلاء، ص: ١٤٨، ١٣٢، ١٦٨، ٢٠٩.

٢٥. ينظر البخلاء، ص: ٤٢، وينظر كذلك، ص: ٤٠، ١٤٥.

٢٦. ينظر كتاب البخلاء، ص: ٤٠

٢٧. يراجع الأمثلة في كتاب البخلاء: ص: ١٥٩، ١٩١، ١٦٩، ٣٥، ٣٦، ١٦٧، ١٨١، ٣٢٧، ١٦٥، ٢٠٦، ١٦٥، ٩٢، ٣٩.

٢٨. نتر: الجذب بجفاء.

٢٩. ينظر، ص: ١٢٣.

٣٠. حجظت عينه، نأت، وسدر تحير واضطرب، وانبهر، انقطع نفسه من الأعياء، المعجم الوسيط، ص: ١٠٨.

٣١. البخلاء، ص: ١٧٢.

٣٢. ينظر البخلاء، ص: ١١١.

٣٣. يظهر أن البيضة أ نفس مافي الطعام "البقيلة"

٣٤. السلاء ة واحدة السلاء كقراء طائر اغبر طويل الرجلين ينظر المعجم الوسيط (المكتبة الاسلامية) استنبول، تركيا) ص: ٤٤٠.

المصادر والمراجع

١. ابن الأنباري "**نزهة الألباء**".

٢. بليغ، عبد الحكيم، "**النثر الفني وأثر الجاحظ فيه**" (القاهرة، مكتبة الأنجلو المصرية)

٣. البيومي، السباعي، "**تاريخ القصة والنقد في الأدب العربي**" (القاهرة، معهد الدراسات العليا ١٩٥٦م).

٤. تيمور، محمد، "**محاضرات في القصص في أدب العرب**"، ماضيه وحاضره (معهد الدراسات العربية العالية ١٩٥٨م)

٥. الجاحظ، "**البخلاء**"، تحقيق ونشر (مكتبة النثر العربي، ١٩٣٨م)

٦. الجاحظ، "**الحيوان**"، تحقيق وشرح عبد السلام هارون (مصر، مطبعة مصطفى البابي الحلبي ١٩٣٨م)

٧. جاد المولىٰ، محمد أحمد وغيره، "**قصص العرب**" (القاهرة، مطبعة الحلبي ١٩٢٩م)

٨. جبر، جميل، "**الجاحظ حياته وأدبه وفكره**" (بيروت دار الكتاب اللبناني ١٩٥٩م)

٩. جبري، شفيق، "**الجاحظ معلم العقل والأدب**" (القاهرة، دار المعارف بمصر ١٩٤٨م)

١٠. حنا الفاخوري، "**الجاحظ**" (دار المعارف، القاهرة)

١١. الخطيب البغدادي الحافظ أبو بكر أحمد (ت:٤٦٣هـ)، "**تاريخ بغداد**" (مطبعة السعادة، التاريخ [بدون])

١٢. البغدادي، عبد القادر بن عمر (ت:١٠٩٣م "**الفَرْق بين الفِرَق**" (دار الجيل، بيروت)

١٣. ابن خلكان، أبو العباس، شمس الدين محمد بن أبي بكر (ت:٦١٨هـ) "**وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان**"، تحقيق: إحسان عباس، الدكتور (دار صادر بيروت. لبنان)

١٤. السيوطي، جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر (ت: ٩١١هـ) "**بغية الوعاة في طبقات اللغويين والنحاة**"، تحقيق: عبد الوهاب عبد اللطيف (دار الكتب الحديثية، القاهرة، ط: ٢، ١٩٦٦م)

١٥. السندوبي حسن، **"أدب الجاحظ"** (القاهرة، المكتبة التجارية الكبرى ١٩٣١م)

١٦. الشهرستاني عبد الكريم (ت: ٦٧٩ ١هـ). **"الملل والنحل"** (دارالفكر، بيروت).

١٧. مردم بكل، خليل، **"الجاحظ"** (دمشق، مطبعة الاعتدال ١٩٣٠م).

١٨. كارل بروكلمان، **"تاريخ الأدب العربي"**، تعريب الدكتور عبد الحليم النجار (دارالكتاب الإسلامي، قم، إيران ط: ٢)

١٩. محمد أمين، ضحى الإسلام

٢٠. محمد مصطفى هداره، **"مقالات في النقد الأدبي"** (دارالقلم، ١٩٦٥م)

٢١. المسعودي، أبو الحسن علي بن الحسين (ت: ٣٤٦هـ)، **"مروج الذهب ومعادن الجوهر"**، تحقيق محمد محي الدين عبد الحميد (دار الأندلس للطباعه والنشر ١٩٥٦م).

٢٢. موسى سليمان، **"النثر في العصر العباسي ضمن الأدب العربي في آثار الدارسين"** (دارالعلم للملايين ١٩٦١م).

٢٣. ابن النديم أبو الفرج محمد بن يعقوب إسحاق (ت: ٤٢٨هـ)، **"الفهرست"**، تحقيق رضا تجدد (دارالميسيرة، بيروت).

٢٤. اليافعي عبد الله بن أسعد (ت: ٧٦٨هـ)، **"مرآة الجنان وعبرة اليقظان في معرفة مايعتبر من حوادث الزمان"** (حيدرآباد، دكن ١٣٢٩م)

٢٥. ياقوت الحموي شهاب الدين بن يعقوب (ت: ٦٢٦هـ)، **"معجم الأدباء"** المعروف بارشاد الأريب إلى معرفة الأديب تحقيق: د.س مرجليوث (مطبعة هندية بالمواسكي، بمصر).

٢٦. يوسف الشاروني، **"القصة تطوراً وتمرداً"** (الهيئة العامة لقصر الثقافة ١٩٩٥م).

٢٧. EG Bron, A literary History of Persia vi,440.